# مُحرفِ قرآن ومُنکرِ حدیث

## پرویز صاحب اور

# مسئلہ تقدیر

www.KitaboSunnat.com

تالیف

مولانا عطاء اللہ ڈیروی

ابوالوفاء محمد طارق خان

دار الکتب العلمیۃ
DAR UL KUTUB AL-ILMIYAH

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

# محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ...عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

## تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

# محرفِ قرآن و منکرِ حدیث

## پرویز صاحب اور

# مسئلہ تقدیر

تالیف

مولانا عطاء اللہ ڈیروی

ابوالوفاء محمد طارق خان

www.KitaboSunnat.com

دار الکتب العلمیۃ

موبائل: 0334-4416881

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب کا نام:

# محرفِ قرآن ومنکرِ حدیث پرویز صاحب اور مسئلہ تقدیر

تالیف

مولانا عطاء اللہ ڈیروی
ابوالوفاء محمد طارق خان

اشاعت:
مئی 2010ء طبع اوّل

قیمت:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



# فہرست


| نمبر شمار | موضوع | صفحہ |
|---|---|---|
| 1 | مقدمہ | 7 |
| 2 | دین اور مذہب کا فرق | 24 |
| 3 | خلق اور امر کی بحث | 29 |
| 4 | لفظ گمراہی کا لغوی اور اصطلاحی معنی | 34 |
| 5 | جبر اور قدر کا بنیادی فرق | 40 |
| 6 | لفظ ''قانون'' کی پرویزی تشریح | 44 |
| 7 | تدبر اور قرآن فہمی کا پرویزی طریقہ | 51 |
| 8 | تقدیر کا معنی از پرویز صاحب | 56 |
| 9 | کیا انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت سے خارج ہے؟ | 58 |
| 10 | ہدایت اور ضلالت فطرت اور تقدیر پر منحصر ہے | 60 |
| 11 | کیا تقدیر پر ایمان قومی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے؟ | 63 |
| 12 | مسئلہ تقدیر پر ایمان اور صحابہ کرام کا عمل | 65 |
| 13 | مسئلہ تقدیر پر ایمان اور عمل کا باہمی تعلق | 67 |
| 14 | تقدیر کا لغوی اور شرعی معنی | 71 |


محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




| | | |
|---|---|---|
| 15 | کیا مسئلہ تقدیر میں قرآن آیات باہم متصادم ہیں؟ | 73 |
| 16 | منکرین حدیث بھی احادیث کے محتاج ہیں | 76 |
| 17 | عمر فاروق کے قول ''حسبنا کتاب اللہ'' کا مطلب | 77 |
| 18 | کیا قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہوسکتا؟ | 80 |
| 19 | پرویز صاحب اور فرقہ باطنیہ | 84 |
| 20 | تصریف آیات کا معنی ومفہوم | 87 |
| 21 | ''من یشاء'' کا معنی ومفہوم | 88 |
| 22 | فراخی وتنگی رزق کا مسئلہ | 92 |
| 23 | ارادہ اور مشیت میں فرق کا بیان | 94 |
| 24 | ''لو شاء اللہ'' کے مفہوم کا تعین | 102 |
| 25 | قانون مشیت یا تقدیر | 103 |
| 26 | انسان کے اندر نیکی اور بدی میں تمیز کی استعداد | 107 |
| 27 | خیر اور شر کی قوتوں پر اختیار کا مسئلہ | 111 |
| 28 | ہدایت کی تین اقسام | 113 |
| 29 | اللہ تعالیٰ کا قانون استدراج | 115 |
| 30 | ''فمن شاء'' کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے | 117 |
| 31 | تقدیر کے بارے میں وارد احادیث کی قرآن سے تائید | 119 |
| 32 | رزق کی فراخی اور تنگی کا قضاء قدر سے تعلق | 122 |
| 33 | وحی کی تعریف وتشریح | 123 |


محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com




| | | |
|---|---|---|
| 34 | ایک شبہ کا ازالہ | 127 |
| 35 | سورۃ النحل کی آیت کی پرویزی تفسیر | 128 |
| 36 | کیا تصوف، تناسخ اور ثنویت مسئلہ تقدیر پر ایمان کا نتیجہ ہیں؟ | 132 |
| 37 | فرقہ جبریہ اور پرویزی ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں | 137 |
| 38 | تقدیر اور تدبیر کا باہمی تعلق | 141 |
| 39 | منکر تقدیر کا اقرار تقدیر | 145 |
| 40 | مسئلہ تقدیر ایک مناظرہ | 147 |
| 41 | خلاصہ کلام | 148 |


محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اما بعد !

فتنہ انکار حدیث اپنی ذات میں کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ عہد رسالت مآب ﷺ کے بعد سب سے پہلے معتزلہ کا جو فرقہ مسلمانوں سے علیحدہ ہوا اس کی بنیاد انکار حدیث ہی تھی اور اس کے بعد سے آج تک جتنے بھی فرقے بنتے رہے ان سب کی بنیاد میں انکار حدیث کسی نہ کسی طور پر موجود رہا ہے۔ یعنی یہ تمام باطل فرقے درحقیقت معتزلہ ہی کی روحانی اولاد ہیں۔ جبکہ ان تمام فرقوں کے علی الرغم ایک گروہ اہل سنت یا اہل حدیث یا محدثین کا ہمیشہ موجود رہا ہے جو دین میں قرآن کے ساتھ ساتھ احادیث کو بھی حجت تسلیم کرتا ہے اور ان کے نزدیک احادیث کے رد وقبول کا معیار صرف صحت وضعف ہے۔ یہی وجہ ہے جو احادیث بارہ سو سال قبل صحیح اور مقبول تھیں ان کا صحیح ہونا آج بھی مسلم ہے کیونکہ ان احادیث کو جرح وتعدیل کے معیار پر پرکھنے کے بعد قبول کیا گیا تھا۔ جبکہ منکرین حدیث کی طرف مائل جو بھی فرقے ہیں ان کے نزدیک احادیث کے رد وقبول کا معیار کبھی عقل، کبھی فلسفہ، اور کبھی سائنس، اور کبھی کسی خود ساختہ امام کا عمل اور کبھی اپنا ذاتی فہم ہوتا ہے اسی سبب معتزلہ سے لیکر پرویزیوں تک کا احادیث کے رد وقبول میں ہمیشہ اختلاف ہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رہا ہے کیونکہ ہر فرقہ کے بانی نے صرف ان احادیث ہی کو قبول کیا جو اس کی اپنی عقل، اپنے مخصوص فلسفے، اور اپنے ذاتی فہم قرآن کے مطابق تھیں جبکہ دیگر تمام احادیث کو ظنی اور مشکوک قرار دیکر رد کر دیا گیا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ایسے فرقوں کے بارہ میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴾ (سورۃالنساء آیت 150-151)

یعنی ”بے شک جولوگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اسکے رسول کے درمیان تفریق کر دیں، وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان میں کوئی راستہ بنائیں، (جان لو کہ) یہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے“

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض پر ایمان لانے اور بعض سے کفر کرنے والے کو حقیقی کافر قرار دیا ہے اور بعض کی تفسیر میں تمام باطل فرقے شامل ہیں مثلاً وہ جو قرآن کی بعض آیات کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ شیعہ حضرات کرتے ہیں۔ اور وہ جو قرآن کو مانتے ہیں اور احادیث کا کلی طور یا جزوی طور پر انکار کرتے ہیں جیسا کہ اہل قرآن اور پرویزی گروپ ہے۔

کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اسکے رسول کی بات کو ایک وحدت قرار دیا ہے جس میں تفریق ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح اس آیت کا اطلاق ان لوگوں پر بھی ہوتا ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جو قرآن کی بعض آیات یا بعض صحیح احادیث کی ایسی تاویل کرتے ہیں جو ان کے امام کے قول کے موافق ہو جائے اور اگر موافق نہ ہو سکے تو اس آیت یا حدیث کو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ تسلیم کرنے سے انکار کر دیں۔ یہ عمل مقلدین حضرات کرتے ہیں اور اس سارے عمل کا مقصد اسکے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ کسی بھی طرح اپنے عقیدے، نظریہ یا کسی شخصیت کی بات کی تائید دین سے حاصل کی جائے لیکن یہاں ہمارا موضوع بحث صرف غلام احمد پرویز صاحب کے نظریہ تقدیر کا جائزہ لینا ہے چنانچہ اسی اعتبار سے ہم اپنا جائزہ اور تنقید پرویزی نظریات تک محدود رکھیں گے۔

مسئلہ تقدیر کے ضمن میں یہ بات ابتدائی طور پر جان لینی چاہیے کہ اس مسئلہ کا بعض دیگر بنیادی نظریات سے براہ راست تعلق ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو خیر وشر کا خالق ماننا، ابلیس وشیطان کے وجود کو تسلیم کرنا اور جزاء وسزا اور جنت اور جہنم پر ایمان یعنی اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کو تسلیم کرنا وغیرہ۔ لیکن پرویز صاحب ان میں سے اکثر کو قطعی طور پر تسلیم ہی نہیں کرتے جیسا کہ ابلیس کا وجود جس کے بارے میں پرویز صاحب کا نظریہ ہے کہ اس سے مراد انسان کے سفلی جذبات ہیں اور جنت اور جہنم سے مراد اس دنیا کی زندگی ہی مراد لیتے ہیں اور آخرت اور جزا وسزا سے متعلق آیات میں سے اکثر کو ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کر کے کوئی مفہوم بیان کیے بغیر گزر جاتے ہیں اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کو صرف خیر کا خالق مانتے ہیں شر کا خالق نہیں مانتے مثلاً سورۃ الفلق میں ﴿مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس نے کائنات میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے اس کی متعین کردہ مستقل اقدار کے مطابق مصرف میں لایا جائے تو خیر ہی خیر ہے لیکن اگر اس کا استعمال غلط طریقہ سے کیا جائے تو اس سے شر پیدا ہوتا ہے'' (مفہوم القرآن ص ۱۴۹۸)

یہی عقیدہ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جہاں اسی آیت میں لفظ ''شر'' کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قرأت ''ر'' کی تنوین یعنی دوزیر کے ساتھ مذکور ہے جس کے اعتبار سے اس آیت کا معنی ہوگا کہ ''میں پناہ مانگتا ہوں اس شر سے جس کو اللہ نے پیدا نہیں کیا'' ملاحظہ فرمایئے تفسیر نسفی اور مناقب ابو حنیفہ رحمہ اللہ للکرادی، بہر کیف مسئلہ تقدیر کے حل کے لئے جن فکری بنیادوں کی ضرورت ہے وہ پرویزی نقطہ نظر میں سرے سے ہی مفقود ہیں اس کے باوجود پرویز صاحب کی کتاب التقدیر کے سرورق پر جلی حرفوں میں لکھا ہے کہ ''دنیا کے مشکل ترین مسئلہ کا قابل فہم ، بصیرت افروز حل'' چنانچہ اس قابل فہم اور بصیرت افروز حل کی بنیاد پرویز صاحب نے جن نظریات پر رکھی ہے ان میں سب سے پہلے نمبر پر ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہے، دوسرے نمبر پر سائنس کے مروجہ قوانین ہیں اور تیسرے نمبر پر پرویز صاحب کا اپنا ذاتی فہم قرآن جس کے یقینی ہونے کا خود پرویز صاحب کو بھی یقین نہیں ، جو حدیث کے ظنی ہونے کی وجہ سے احادیث کو قطعاً قابل التفات نہیں سمجھتے اس کا ثبوت پرویز صاحب کی اکثر کتابوں کے سرورق پر درج یہ عبارت ہے کہ ''فکر قرآنی کے لئے پرویز سند نہیں، میں اپنی بصیرت کے مطابق قرآنی فکر پیش کرتا ہوں آپ کیلئے ضروری نہیں کہ آپ اس سے متفق ہوں'' یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پرویز صاحب کے فہم قرآنی کے مآخذ کا بھی تذکرہ کردیا جائے تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ پرویز صاحب کے فکر قرآنی کی بنیادیں کس قدر مستحکم اور معتبر ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:

''میں قرآن کریم کے ترجمہ کی ان مشکلات پر ایک مدت تک غور کرتا رہا اور اس کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ کرنے کا کام یہ ہے کہ:

اولاً: عربی زبان کی مستند کتب لغت وتفاسیر کی مدد سے قرآن کریم کے تمام الفاظ کے معانی پوری وسعت اور جامعیت کے ساتھ متعین کئے جائیں اور اس کے لئے جہاں تک پیچھے جا سکتے ہوں جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ نزول قرآن یا اس سے قریب تر زمانے میں ان الفاظ سے بالعموم کیا مفہوم لیا جاتا تھا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ثانیاً: پھر یہ دیکھا جائے کہ قرآن کریم نے ان الفاظ کو کن کن معانی میں استعمال کیا ہے، اس کا انداز یہ ہے کہ وہ ایک بات کو مختلف مقامات پر بیان کرتا ہے اور ان تمام مقامات کو بیک وقت سامنے لانے سے ان الفاظ کا مفہوم نمایاں طور پر سامنے آ جاتا ہے۔

ثالثاً: جن الفاظ کو قرآن کریم نے بطور اصطلاح استعمال کیا ہے ان کا مفہوم بھی قرآن سے متعین کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ ان جامع اصطلاحات سے اپنی تعلیم کے کس قسم کے تصورات پیش کرتا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے: مفہوم القرآن صفحہ ۲۱، ۲۲)

یہاں پرویز صاحب نے جس سہ نکاتی فارمولے کو پیش کیا ہے اس پر سب سے پہلا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ پوری اسلامی تاریخ میں جتنے بھی مفسرین وفقہاء گزرے ہیں کیا ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہے جو عربی لغت سے جاہل ہو یا قرآن کی اصطلاحات سمجھنے اور سمجھانے سے قاصر ہو؟ اور اگر کوئی ہے تو پرویز صاحب نے اپنی کسی کتاب میں بھی کسی مقام پر اس کی نشان دہی کیوں نہیں فرمائی تاکہ معلوم ہو جاتا کہ فلاں مفسر نے قرآن کی فلاں اصطلاح کا مفہوم غلط سمجھا، دوسرا اعتراض یہ ہے کہ پرویز صاحب کو کیسے معلوم ہوا کہ لغت کی فلاں فلاں کتاب مستند ہے لہذا اسی سے استفادہ کرنا چاہیے یعنی اگر احادیث کی تمام کتابیں اس لئے ظنی ہیں کہ وہ انسانوں نے لکھی ہیں تو لغت کی کتابوں کے یقینی طور پر صحیح ہونے کی کیا دلیل ہے وہ بھی تو آخر انسانوں نے لکھی ہیں۔

(حتیٰ کہ قرآن حکیم کا نسخہ بھی انسانوں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے کیونکہ قرآن حکیم تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا ہے تاکہ اہل باطل کا بطلان ہو جائے کہ دونوں چیزوں کا مقام نزول ایک ہی ہے اور دونوں کلام منزل من اللہ ہیں اور دونوں کے راوی بھی ایک ہیں، اور دونوں کی ثقاہت بھی ایک ہے۔ اور فتنہ پرویزیت دونوں کے بارے میں تشکیک پیدا کرنے اور دونوں کو غیر معتبر بنانے کا ابتدائیہ ہے (العیاذ باللہ من ذالک) کیونکہ دو مقدمات کی ایک ہی گواہ جماعت دونوں مقدمات میں سچی ہوگی یا دونوں میں جھوٹی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تصور کی جائے گی ، دوسرے الفاظ میں قرآن واحادیث کے راوی صحابہ کرام ہیں اور دونوں یعنی قرآن وحدیث کی سماعت رسول اللہ ﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے فرمائی ہے اور امت کی طرف منتقل فرمایا ہے۔)

مزید برآں لغت کی جتنی بھی کتابیں ہیں وہ سب نزول قرآن کے بعد کسی زمانے میں لکھی گئی ہیں اور ان کو لکھنے والے بھی اکثر وبیشتر عربی النسل نہیں بلکہ عجمی ہیں حالانکہ پرویز صاحب کے نزدیک محدثین کی روایات قبول کرنے میں سب سے زیادہ مانع امر ان میں سے اکثر کا عجمی ہونا ہے۔اس کے باوجود احادیث سے بغض اور لغت پر اتنی مہربانی ، آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے ، تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر پرویز صاحب کے ہاتھ کوئی مستند لغت لگی تھی جسکی مدد سے انھوں نے خود قرآن سمجھا تو دوسروں کو سمجھانے کے لئے انھوں نے خود لغات القرآن تصنیف کرنے کی زحمت کیوں فرمائی اس مذکورہ لغت کا اردو ترجمہ ہی شائع کیوں نہیں کر دیا جو ان کے پاس موجود تھی ؟ درحقیقت اصل بات یہ ہے کہ پرویز صاحب نے مختلف لغات کی مدد سے قرآن کی بعض اصطلاحات اور الفاظ کے دوراز کار معانی تلاش کیئے اور پھر انھیں مستند قرار دے کر خود اپنی لغات قرآن مرتب کر ڈالی لیکن پھر مفہوم القرآن میں اس لغات القرآن کو بھی پس پشت ڈال دیا گیا اور قرآنی آیات کا وہ مفہوم بیان کیا گیا جو پرویز صاحب کی ذاتی ذہنی اختراع کا نتیجہ تھا۔اس اعتبار سے پرویز صاحب کو منکر حدیث ہونے کے ساتھ ساتھ محرف قرآن ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے اور پرویز صاحب نے اسی فہم قرآن کی روشنی میں مسئلہ تقدیر کو بھی حل کرنے کی کوشش کی لیکن جس مسئلہ کی بنیادی اینٹ ہی غلط رکھی گئی ہو اس مسئلہ کا کیا حل نکلے گا اور وہ حل کتنا شاندار ہو گا اس کا اندازہ اہل عقل ودانش بخوبی لگا سکتے ہیں۔

پرویز صاحب کی سوچ نے جس دور میں پرواز کرنا سیکھا وہ دور کمیونزم یا اشتراکیت کے عروج کا دور تھا جس کے ان کی سوچ پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے یہاں تک کہ جب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



انہوں نے کمیونزم کی عینک سے قرآن کا مطالعہ کیا تو انہیں قرآن میں بھی کمیونزم ہی نظر آیا جسکا نام پرویز صاحب نے قرآن کا نظام ربوبیت رکھا۔ لیکن اس نظام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مسلمانوں میں مروج مسئلہ تقدیر تھا جس کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس کے رزق کو چاہا تنگ کردیا جس کے رزق کو چاہا فراخ کردیا جبکہ کمیونزم کے اندر سارا مال حکومت کا ہے اور حکومت اس مال کو عوام الناس میں بنیادی ضرورتوں کے مدنظر برابر تقسیم کرے گی۔ چنانچہ اسی مسئلہ کو حل کرنے اور اپنے ایجاد کردہ نظام ربوبیت کو ثابت کرنے کے لئے پرویز صاحب کو مسئلہ تقدیر پر علیحدہ سے کتاب لکھنے کی ضرورت پڑی جس میں پرویز صاحب ڈارون کے نظریہ ارتقاء اور مروجہ سائنسی قوانین کو حرف آخر گردانتے ہوئے قرآنی آیات کی جی بھر کر تحریف اور دینی اصطلاحات کی خاطر خواہ مرمت کرنے کے بعد بالآخر جس نتیجے پر پہنچے کہ:

''قرآنی تصور کا خدا اپنی لاانتہاء قوتوں کے باوجود، قاعدے قانون والا خدا ہے، اس لئے اسے ماننے والی قوم دنیا میں انتہائی درجہ کی قاعدے اور قانون کے مطابق چلنے والی قوم ہوگی، یہی تقدیر کا عملی مفہوم ہے یعنی اپنے اختیار وارادہ سے قوانین خداوندی کی اطاعت۔'' (کتاب التقدیر صفحہ آخر)

پرویز صاحب کے نزدیک یہ تقدیر کا عملی مفہوم ہے جبکہ تقدیر کے نظری مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں:

''انسانوں میں اس امر کی صلاحیت رکھ دی گئی ہے کہ وہ ان قوانین کو دریافت کرسکے سائنس کی اصطلاح میں ان قوانین کو قوانین فطرت کہتے ہیں لیکن قرآن کی اصطلاح میں انہیں مشیت خداوندی کہہ کر پکارا جائیگا اور ان اشیاء کا ان قوانین کے تابع چلنا ان کی تقدیر کہلائے گا'' (کتاب التقدیر ص ۳۹۴)

یعنی پرویز صاحب کے نظریہ کے مطابق تقدیر کے پابند صرف حیوانات، نباتات اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جمادات ہیں جبکہ انسان صرف قوانین فطرت کا پابند ہے اور کائنات میں پائی جانے والی فطری قوتوں پر قابو پا کر جب چاہے اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔

مسئلہ تقدیر درحقیقت اتنا مشکل نہیں جتنا اسے بنا دیا گیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مسئلہ کو جب بھی فلسفہ، منطق یا سائنس کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی گئی یا کی جائے گی تو یہ مسئلہ مزید الجھ جائے گا اور نتیجہ کے طور پر انسان یا تو مجبور محض قرار پائے گا جیسا کا جبریہ فرقہ نے باور کیا تھا یا مکمل آزاد جیسا کہ پرویز صاحب نے سمجھا ہے حالانکہ انسان نہ مکمل طور پر خودمختار ہے اور نہ ہی مجبور و بے بس ہے بلکہ انسان کی اصل صورت حال ان دونوں کے بین بین ہے۔ دراصل انسان کے ایمان اور عمل کی مثال ایک ایسی کمپنی کی ہے جس میں ایک سے زائد لوگ شریک ہوتے ہیں اور جس کے منافع میں ہر شریک اپنے حصے کے مطابق حق دار ہوتا ہے یعنی انسان کا کوئی بھی عمل خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اچھا ہو یا برا اور خیر ہو یا شر اس کا ذمہ دار صرف انسان نہیں بلکہ اگر یہ فعل اچھا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی تائید وتوفیق اور ہدایت کے باعث سرانجام پایا ہے اور برا عمل چونکہ شیطان کے اکسانے کے سبب ہوتا ہے اور شیطان کو پیدا کرنے اور انسانوں کے گمراہ کرنے کی قوت چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دی ہے اس لئے برے عمل کا ذمہ دار انسان اکیلا نہیں ہے اسی اعتبار سے قرآن کریم میں اچھے عمل کی نسبت کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو کہیں خود انسان کی طرف، جبکہ برے عمل کی نسبت کہیں شیطان کی طرف ہے تو کہیں انسان کی طرف اور تقدیر کے مسئلہ کو حل کرنے کے ضمن میں اکثر لوگوں کے سامنے یہی افعال کی بدلتی ہوئی نسبت ہمیشہ عقدہ لاینحل بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے جسے حل کرنے کے لئے کبھی کوئی گروہ منطق وفلسفہ کا سہارا لیتا ہے تو کوئی فریق کوئی تاویلات کا سہارا تلاش کرتا ہے جس کے باعث یہ مسئلہ سلجھنے کی بجائے مزید الجھ جاتا ہے حالانکہ کسی فعل کے ایک سے زائد فاعل ہونا کوئی انہونی بات نہیں ہے ہماری روزمرہ کی زندگی میں اسکی کئی مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً تاج محل جو فن تعمیر کا ایک شاہکار ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور جس کا شمار عجائبات علم میں کیا جاتا ہے کہ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے مغل بادشاہ شاہجہاں نے تعمیر کیا تو یہ بیان صحیح ہوگا اور اگر یہ کہا جائے کہ تاج محل اس زمانے کے کسی ماہر تعمیرات کا کمال ہے تو یہ بھی صحیح ہوگا اور اگر کہا جائے کہ اسے مزدوروں نے تعمیر کیا تو یہ بھی غلط نہ ہوگا یعنی ایک ہی فعل کے ایک سے زائد فاعل ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہوتی اور یہی اسلوب قرآن میں اختیار کیا گیا ہے مثال کے طور پر سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (سورۃ آل عمران: آیت ۵۷)

یعنی ''جو لوگ بھی ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انہیں ان کا پورا اجر دیا جائے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا'' یہاں انسانوں کے ایمان اور اچھے عمل کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے جبکہ سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَ اللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِیْلًا﴾ (سورۃ النساء ۸۸)

یعنی: '' کیا ہوا ہے تم لوگوں کو کہ منافقین کے بارے میں مختلف الآراء ہو گئے ہو حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب گمراہی میں لوٹا دیا ہے، کیا تم چاہتے ہو کہ اسے ہدایت دو جسے اللہ نے گمراہ قرار دیا ہے، اور جسے اللہ گمراہ قرار دے پھر اس کے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہوتا'' یہاں منافقین کے عمل کی نسبت منافقین کی طرف اور گمراہ قرار دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے۔ اس قسم کی آیات کی تفسیر میں علماء نے لکھا ہے کہ انسان کے ہر عمل کو کسب کے اعتبار سے انسان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کا عمل کہا جاتا ہے اور تخلیق کے اعتبار سے اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے اس قسم کی آیات میں دونوں بدعتی عقیدوں یعنی جبریہ اور قدریہ کا رد ہے جیسا کہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْن'' میں عبادت کے عمل کی نسبت انسان کی طرف اور استعانت اللہ سے طلب کی گئی ہے نیز اس مسئلہ کی اصل اور بنیاد اس آیت میں ہے کہ:

﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (سورۃ صافات آیت ۹۶)

یعنی ''اللہ نے تمہیں اور تمہارے عمل کو پیدا کیا ہے'' البتہ انسان کے برے عمل کی نسبت کہیں بھی اللہ تعالیٰ کس طرف نہیں کی گئی اور نہ ہی کرنی چاہیے لیکن بعض مقامات پر انسانوں کے اچھے عمل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب کی ہے مثلاً سورۃ الانفال میں فرمایا:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (الانفال: ۱۷)

یعنی ''غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ان کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا اور اے نبی تم نے جو مٹھی بھر کے پھینکی تھی وہ تم نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھی تا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی اچھی آزمائش کرے، بے شک اللہ سننے اور جاننے والا ہے'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مٹی پھینکنے کی نسبت اپنی طرف کی ہے اور نبی کریم ﷺ سے اس کی نفی کی ہے پھر ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ جب وہ مٹی آپ نے پھینکی تھی۔ اس پر علماء نے کہا ہے کہ اس میں ایک عمل کا اثبات یعنی مٹی پھینکنے کا اثبات ہے اور ایک عمل کی نفی ہے یعنی اس مٹی کا مؤثر ہونا نبی ﷺ کے عمل سے نہیں تھا بلکہ اللہ کا عمل تھا کہ اور سورۃ الصافات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کی درجہ بالا آیت کی روشنی میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عمل نبی کریم ﷺ کا تھا مگر اس عمل کا خالق اللہ تعالیٰ تھا اس اعتبار سے یہ عمل حقیقی طور سے اللہ کا ہوا اسلئے اس عمل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی اور بعض مقامات پر کفر اور ایمان کو انسان کا اختیار قرار دیا گیا ہے مثلاً سورہ کہف آیت نمبر ۲۹ میں ارشاد ہوا:

﴿وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾

(الکھف: ۲۹)

یعنی ''کہہ دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر میں مبتلا رہے'' جبکہ سورۃ النحل میں ہدایت وگمراہی کو اللہ تعالیٰ کی منشاء قرار دیا گیا ہے، فرمایا:

﴿ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (النحل: ۹۳)

یعنی ''اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت سے محروم کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم سے اس بارے میں میں ضرور پوچھا جائے گا جو کچھ بھی تم کرتے ہو'' اسی طرح کسی کسی مقام پر انسان کے عمل کو شیطان کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے مثلاً سورۃ یوسف میں یوسف علیہ السلام سورۃ کے آخر میں اپنے بھائیوں کی طرف سے کی جانے والی سازش کو شیطان کی طرف نسبت کرتے ہوئے اپنے والد یعقوب علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

﴿ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِيْ﴾ (سورہ یوسف: ۱۰۰)

یعنی ''مجھ پر میرے رب نے بہت احسان کیا کہ مجھے جیل سے نجات دی اور آپ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سب اہل خانہ کو صحراء سے لا کر مجھ سے ملا دیا حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان عداوت ڈال چکا تھا'' لیکن اس سب کے باوجود ہر انسان ہدایت واعمال صالح یا گمراہی وبرے اعمال کا ذمہ دار خود ہے کیونکہ سورۃ فصلت میں قوم ثمود کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (سورہ فصلت : ۱۷)

یعنی'' قوم ثمود کو ہم نے ہدایت دی لیکن انہوں نے ہدایت سے اندھا رہنا پسند کیا پھر جو کچھ وہ کرتے تھے اس کے سبب چنگھاڑ کے رسوا کن عذاب نے انہیں پکڑ لیا'' پس اس ضمن میں سب سے بہتر روش یہ ہے کہ انسان اپنے عمل کی نسبت اپنی جانب کرنے کی بجائے اللہ کی طرف کرے کیونکہ اسی چیز کو قرآن نے مؤمنین اور جنتی لوگوں کا شیوہ بتایا ہے جبکہ اپنے غلط عمل کی نسبت شیطان، یا اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کی بجائے انسان خود اپنی طرف کرے اور کسی دوسرے کے غلط عمل کی نسبت شیطان کی طرف کرے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا، ایسا کرنے سے انسان کے اندر تکبر کی جگہ عاجزی اور انکساری پیدا ہوتی ہے جو دنیا وآخرت میں انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

مسئلہ تقدیر کو سمجھنے کے لئے دوسری چیز جس کی بے حد ضرورت ہے وہ اس ضمن میں وارد احادیث کا گہرا مطالعہ ہے جس کی توفیق سے پرویز صاحب اور ان کے متبعین قطعی طور پر محروم ہیں یہ حضرات اولاً تو احادیث کو وحی سے خارج باور کرنے کے باعث قابل التفات سمجھتے ہی نہیں اور ثانیاً اگر کبھی احادیث پڑھیں بھی تو اسی مقصد سے پڑھتے ہیں کہ کوئی حدیث ایسی مل جائے جو بظاہر قرآن کے کسی بیان سے مختلف نظر آتی ہو تو اسے لے اڑیں اور اس پر خوب حاشیہ چڑھائیں۔ حالانکہ ہم سطور بالا میں دیکھ چکے ہیں کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں یہ حضرات اولاً تو احادیث کو وحی سے خارج باور کرنے کے باعث قابل التفات سمجھتے ہی نہیں اور ثانیاً اگر کبھی احادیث پڑھیں بھی تو اسی مقصد سے پڑھتے ہیں کہ کوئی حدیث ایسی مل جائے جو بظاہر قرآن کے کسی بیان سے مختلف نظر آتی ہو تو اسے لے اڑیں اور اس پر خوب حاشیہ چڑھائیں۔ حالانکہ ہم سطور بالا میں دیکھ چکے ہیں کہ ایمان اور اعمال کے ضمن میں جو آیات وارد ہیں ان میں بظاہر کتنا اختلاف ہے اور اختلاف کو دور کرنے اور باہم تطبیق کرنے کے لئے پرویز صاحب نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ انہوں نے انسان کو اسکے اچھے یا برے عمل کا ذمہ دار قرار دینے والی آیات کو اصل قرار دیا ہے اور دوسری قسم کی آیات کی کوئی نہ کوئی تاویل کی ہے اس طرح یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان کی کوئی تقدیر نہیں یا انسان کی تقدیر خود اس کے اپنے ہاتھوں میں ہے اور ہدایت وگمراہی حاصل کرنے میں بھی وہ مکمل خود مختار ہے لیکن انہی منکرین حدیث کو اس قسم کا کوئی اختلاف یا اس سے کہیں کم تر درجہ کا اختلاف بھی اگر احادیث میں مل جاتا ہے تو وہ اسے بے پر کا کوا بنا کر خوب اڑاتے ہیں حالانکہ یہی حضرات جب قرآن کی آیات میں تطبیق کرنے بیٹھتے ہیں تو اپنی جانب سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔ البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی وہ تطبیق اکثر وبیشتر غلط ہی ہوتی ہے کیونکہ ان کا مقصد آیات کے ظاہری اختلاف کو فرو کرنا نہیں بلکہ اپنے چھپے ہوئے کچھ خاص نظریات کو قرآن کی سند عطا کرنا پیش نظر ہوتا ہے مثال کے طور پر سورۃ النحل کی جو آیت ہم سطور بالا میں نقل کی ہے جس کے مطابق ''اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت سے محروم کر دیتا ہے'' کا مفہوم پرویز صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمایئے لکھتے ہیں کہ:

> ''تمہارے دل میں بار بار یہ خیال ابھرتا ہے کہ اگر اللہ کو ایسا ہی منظور تھا تو اس نے تمام انسانوں کو ایک جیسا کیوں نہ بنا دیا اور سب کو ایک ہی راستہ پر کیوں نہ چلا دیا، یہ ٹھیک ہے کہ اگر وہ چاہتا تو اپنے قانون کائنات کے مطابق تم سب کو ایک جیسا بنا دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس نے تمہیں صحیح راستہ دکھا دیا، اور اس کا فیصلہ تم پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چھوڑ دیا کہ چاہے اسے اختیار کرلو اور چاہے اسے چھوڑ کر غلط راستے پر چل نکلو اور یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ تم اپنے ہر عمل کے ذمہ دار ٹھہرو (مفہوم القرآن ص ۶۱۷)

پرویز صاحب نے یہاں لفظ ''من یشاء'' کا معنی ''تم چاہو تو'' کیا ہے حالانکہ یہ قرآن کی سراسر تحریف ہے بلکہ اسکا صحیح معنی ''اگر وہ چاہتا'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا بلکہ وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت سے محروم قرار دے کر گمراہی کا سرٹیفکیٹ دے دیتا ہے۔ یعنی یہاں لفظ ''یضل'' اور ''یھدی'' کا فاعل انسان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جبکہ پرویز صاحب نے انسان کو ان افعال فاعل قرار دیتے ترجمہ کیا ہے جو قرآن کی ایسی کھلی تحریف ہے جس سے یہود ونصاریٰ بھی شرما جائیں۔ یہاں یہ صرف ایک مثال ہے پرویز صاحب کے مفہوم القرآن میں اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ملیں گی اس لئے پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کو اگر مفہوم القرآن کی بجائے پرویز صاحب کی شاطر دماغی کا ثبوت کہا جائے تو قطعی طور پر درست ہوگا جیسا کہ پرویز صاحب ابن عربی الصوفی کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''اس میں شبہ نہیں کہ ابن عربی بڑے ذہین اور فطین تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب کسی ذہین اور فطین کی گردن ٹیڑھی ہو جائے تو جس قدر نقصان وہ پہنچا سکتا ہے دوسروں کے یہاں اس کی مثال نہیں ملتی ابن عربی کی ذہانت نے بھی یہی کچھ اسلام کے ساتھ کیا'' (تصوف کی حقیقت ص ۸۰)

کم وبیش یہی کچھ پرویز صاحب کی ذہانت نے اسلام کے ساتھ کیا ہے یعنی لغت کے ساتھ کھیل کر عربی زبان سے نابلد اور انگریزی زبان کے واقف مغرب زدہ مرعوب ذہنوں کو خوب خوب بے وقوف بنایا ہے لیکن پرویز صاحب کی تمام شعبدہ بازیوں کی قلعی کھولنا اس کتاب کا موضوع نہیں ہے چنانچہ سردست زیر نظر تالیف کے تحت مسئلہ تقدیر کے ضمن میں پرویز صاحب کی جانب سے پیش کئے گئے تمام دلائل کا جواب قرآن وحدیث اور اجماع

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



امت کے حوالے سے دیا جا رہا ہے اور اس ضمن میں ان اغلاط کی نشان دہی کی گئی ہے جن سے صرف نظر کرنے کے باعث پرویز صاحب نے مسئلہ تقدیر کا عملی طور پر انکار کرتے ہوئے لفظ تقدیر کو محض ایک اصطلاح قرار دینے کی سعی فرمائی ہے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ:

''عربی زبان کے قاعدے کی رو سے تقدیر کے معنی ہیں اندازہ یا پیمانہ عطاء کرنا اور خدا کی تقدیر کے معنی ہوں گے خدا کی طرف سے مقرر کردہ پیمانے یا قوانین خداوندی اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ تقدیر کا صحیح مفہوم کیا ہے اور ہمارے یہاں یہ کن معانی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی قرآن کریم کی رو سے تقدیر خدا کی ہے انسان کی کہنا ہی غلط ہے'' (کتاب التقدیر ص ۲۴)

جیسا کہ پرویز صاحب نے فرمایا کہ تقدیر کے معنی پیمانہ ہے تو ظاہر ہے کہ پیمانہ خالق کی طرف سے مخلوق کے لئے ہوگا مثال کے طور پر کسی دکاندار مثلاً کپڑے والے کے پاس کوئی پیمانہ ہے تو وہ کپڑا ناپنے کے لئے ہے اس لئے جب کوئی شخص کپڑا خریدتا ہے تو اسکی نسبت اس میٹر کی طرف کرتا ہے جو دوکاندار کے پاس ہے اور اس اعتبار سے اس کپڑے کو ایک میٹر یا دو میٹر کہتا ہے، اسی طرح کائنات کا پیمانہ یا تقدیر کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر یہ تقدیر مخلوق کی ہے اس لئے تقدیر کی نسبت کائنات اور اس میں موجود تمام اشیاء کی طرف کی جاتی ہے جس میں انسان بھی شامل ہے۔ پس تقدیر کی نسبت انسان کی طرف کرنے کو غلط کہنا ایسی ہی جہالت ہے جیسے کوئی شخص کپڑے کی نسبت میٹر کی طرف کرنے کو غلط کہتا ہو نیز بسا اوقات ایک لفظ جب مخلوق کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اسکے معنی کچھ ہوتے ہیں اور جب خالق کے لئے استعمال ہو تو معنی کچھ اور ہوتے ہیں مثلاً توآب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور انسان کے لئے بھی ہوتا ہے لیکن جب یہ لفظ انسان کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بہت زیادہ توبہ کرنے والا لیکن یہی لفظ جب اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں توبہ کو قبول کرنے والا، اسی طرح تقدیر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کا لفظ جب خالق کے لئے استعمال ہوگا تو اس کے معنی ہوں گے پیمانے سے بنانیوالا اور جب یہی لفظ مخلوق کے لئے استعمال ہوگا تو اس کے معنی ہوں گے پیمانے سے بنا ہوا یعنی کائنات میں ہر شئے بشمول انسان اللہ تعالیٰ کے علم کامل کے تحت ایک خاص پیمانے پر تخلیق ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اسکا جو انجام ازل سے طے شدہ ہے اسی کے عین مطابق اپنے انجام کو پہنچتی ہے اسی کو اشیاء کائنات یعنی نباتات، جمادات، حیوانات، انسان اور دیگر تمام موجودات کی تقدیر کہتے ہیں نیز یہاں پرویز صاحب نے لفظ ''تقدیر'' کا معنی کیا ہے ''قوانین خداوندی، اندازہ، پیمانہ'' ہم کہتے ہیں کہ اگر تقدیر کے انہی معنی کو صحیح مان لیا جائے جو پرویز صاحب نے بیان کئے ہیں تب بھی مسئلہ تقدیر کے ضمن میں پرویز صاحب کا مسلک زمین بوس ہو جاتا ہے کیونکہ تقدیر کے پرویزی معنی تسلیم کرنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسان اپنے قوانین خداوندی خود بنا سکتا ہے یا خدا کا اندازہ یا پیمانہ وضع کرسکتا ہے؟ اگر پرویز صاحب کا جواب ہاں میں ہے تو اعلانیہ طور پر کفر کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ جو پیمانہ یا قانون خدا کا ہے وہ خدا ہی بنا سکتا ہے اس اعتبار سے پرویز صاحب خدائی کے دعویدار ہوئے، اور اگر پرویز صاحب کا جواب انکار میں ہے تو تقدیر یعنی قانون اور پیمانہ کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ کا فعل مان کر تقدیر کا فاعل اللہ تعالیٰ کو مان لیتے ہیں اور تقدیر کا مفعول اشیاء کائنات قرار پاتی ہیں اس طرح مسئلہ تقدیر ثابت ہو جاتا ہے اور تمام اختلاف اور جھگڑا از خود ختم ہو جاتا ہے۔

مسئلہ تقدیر کے ضمن میں پرویز صاحب نے اپنی شاطرانہ چالوں اور قرآنی آیات کی شرح میں تحریف کے ذریعہ لفظ تقدیر کو محض ایک اصطلاح باور کرانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور عملی میدان میں مسئلہ تقدیر کے تحت وارد احادیث کو مشکوک اور غلط قرار دیتے ہوئے مسئلہ تقدیر کا کلی انکار کیا ہے چنانچہ ہم نے موجودہ دور میں فتنہ انکار حدیث کو لگام دینے کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس اہم مسئلہ پر قلم اٹھایا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس مسئلہ کے ضمن میں حق اور سچ اور صحیح بات لکھنے اور قارئین کرام کو حق سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ وسلم

والسلام

ابوالوفاء محمد طارق عادل خان

۵ جمادی الثانی ۱۴۲۴ ہجری

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## دین اور مذہب کا فرق

مسئلہ تقدیر کو حل کرنے سے قبل پرویز صاحب نے اپنی کتاب میں کچھ بنیادی اسلامی اصطلاحات کی تعریف وتشریح بیان فرمائی ہے ان میں سے ایک دین اور مذہب کا فرق بھی ہے اسکے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:

''جو نظام حیات خدا کی طرف سے بذریعہ وحی حضرات انبیاء کرام کو ملتا تھا اسے دین کہا جاتا ہے لیکن بعد میں جب اس دین میں انسانی تحریفات راہ پالیں تو دین دین نہیں رہتا مذہب بن جاتا ہے (کتاب التقدیر ص ۲۷)

دین اور مذہب میں واضح کردہ اس فرق کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پرویز صاحب یہاں دین اور مذہب کے فرق کو نہیں بلکہ اپنے قرآن اور اپنے مفہوم القرآن کے فرق کو بیان فرما رہے ہیں'' جبریل کے واسطہ سے جو وحی نبی کریم ﷺ کو ملی وہ قرآن تھی لیکن پرویزی تحریفات نے اس میں راہ پالی تو وہ مفہوم القرآن بن گئی'' بہر کیف دین اور مذہب کے درمیان یہ فرق پرویز صاحب کی اپنی ذہنی اختراع ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مذہب کی تعریف اہل علم نے اس طرح کی ہے:

«طريقة معينة في استنباط الأحكام الشرعية من أدلتها التفصيلية»

یعنی'' شرعی احکامات کے استنباط کا ایک معین طریقہ جو تفصیل پر دلالت کرے'' ہر نماز کے اندر ہم اللہ تعالیٰ سے سورۃ فاتحہ کے دوران دعا مانگتے ہیں کہ'' ہم کو ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے انعام کیا'' ان انعام یافتہ لوگوں کا راستہ کیا ہے اور یہ انعام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یافتہ لوگ کون ہیں اسکی وضاحت خود قرآن کرتا ہے کہ:

﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ (سورہ النساء آیت ٦٩)

یعنی ''جو لوگ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں وہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین اور ان لوگوں کی رفاقت خوب ہے''

اس آیت میں یہ بھی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انعام یافتہ لوگوں کا راستہ اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ کا راستہ ہے جس کے بعد ان منعم علیہ لوگوں کا اجتہاد اور اجماع بھی شامل ہو جاتا ہے تو اسی کو مذہب کہتے ہیں، عجیب بات ہے کہ پرویز صاحب ایک جانب قرآن کے علاوہ کسی چیز کو وحی تسلیم نہیں کرتے اور دوسری جانب یہ کہہ رہے ہیں کہ جو نظام حیات بذریعہ وحی انبیاء کرام کو ملتا تھا اسے دین کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین قرآن ہی کا دوسرا نام ہے اور پرویز صاحب قرآن میں تحریف کے قائل نہیں ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر دین میں تحریف کیسے واقع ہوگئی اور دین مذہب کیسے بن گیا پھر دوسری جانب پرویز صاحب مذہب کو دین سے قبل کی ایجاد بھی بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مذہب اس وقت پیدا ہوا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی دین نازل نہیں ہوا تھا چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''مذہب انسان کے عہد طفولیت میں پیدا شدہ تصورات کا مجموعہ ہے جب وہ بچے کی طرح ہنوز قانون کے تصور سے نا آشنا تھا، انسان اب بالغ ہو چکا ہے اور عقل وفکر کی رو سے خدا کے اس تصور کو سراہ سکتا ہے جو اسے دین نے عطا کیا ہے''

(کتاب التقدیر ص ٤٩)

معلوم ہونا چاہیے کہ پرویز صاحب ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے قائل تھے اور یہاں انسان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے عہد طفولیت سے پرویز صاحب کی مراد وہ دور ہے جب انسان بندر سے نیا نیا انسان بنا تھا اپنے اسی نظریہ کی بنیاد پر وہ قرآن کریم میں سات مرتبہ وارد آدم اور ابلیس کے قصے سے کلی طور پر انکار کرتے ہیں اور معاذ اللہ اسے ایک جھوٹا قصہ گردانتے ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض ہماری وعظ اور نصیحت کے واسطہ قرآن میں متعدد مرتبہ بیان کیا، پرویز فرماتے ہیں کہ:

''قرآن کریم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس میں آدم سے متعلقہ جو قصہ بیان ہوا ہے وہ کسی ایک فرد یا کسی جوڑے، میاں بیوی کی داستان نہیں، وہ خود آدمی کی سرگزشت ہے جسے تمثیلی انداز میں بیان کیا گیا ہے، قدیم انسان کی ابتدائی زندگی بڑے امن اور فراوانی کی زندگی تھی، جب اس نے مل جل کر رہنے کی تمدنی زندگی شروع کی تو ان کے باہمی مفاد میں ٹکراؤ پیدا ہوا اس ٹکراؤ کا نتیجہ فساد تھا اسے دور کرنے کے لئے خدا کی طرف سے وحی کا سلسلہ شروع ہوا، جب اس نے اس راہنمائی کے مطابق زندگی بسر کی اسکا معاشرہ جنت بداماں ہوگیا اور جب اس نے وہ راستہ چھوڑ دیا تو پھر جہنمی زندگی شروع ہوگئی یہی داستان آدم وابلیس ہے''

(تبویب القرآن ص ۲۴)

اس مندرجہ بالا پیراگراف سے پرویز صاحب کے اکثر باطل عقیدے صاف ظاہر ہیں مثلاً آدم علیہ السلام کو پیغمبر اور ایک خاص انسان تسلیم کرنے سے صاف انکار، اپنا اور بنی نوع انسان کا نسب آدم علیہ السلام سے منقطع کر کے معلق چھوڑنا جس کا لازمی نتیجہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر پرویز صاحب اور ان کے متبعین کے ایمان کی صورت میں ظاہر ہونا، انسان کے باہمی ٹکراؤ کی منطق کے ذریعہ شیطان کے وجود کا مطلق انکار اور جنت اور جہنم کے وجود کو محض ایک اصطلاح قرار دے کر جنت اور جہنم کے اصل وجود کو اپنے متبعین کی سوچ اور ذہن سے خارج کرنا، پرویز صاحب انسان کے ابتدائی دور کو عہد طفولیت سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ انسان کا آغاز مکمل علم اور شعور کے ساتھ ہوا چنانچہ سورہ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



﴿وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ ۳۱)

یعنی ''آدم علیہ السلام کو پورا علم الاسماء دیا گیا پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا اور فرشتوں سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو تو اس علم کا مقابلہ کر کے دکھاؤ''

اور قرآن یہ بھی کہتا ہے کہ اس وقت موجود تمام مخلوق یہاں تک کہ جنات اور فرشتوں نے بھی آدم کو سجدہ کیا سوائے ابلیس ملعون کے جس نے انکار کیا لیکن اس کے برخلاف پرویز صاحب آدم کو ایک ایسا انسان یا نوع انسان قرار دیتے ہیں جو دنیا کی ہر طاقت کے سامنے اپنے آپ کو بے بس اور مجبور محسوس کرتے ہوئے ہر در پر سجدہ کر رہا تھا چنانچہ پرویز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ابتدائی دور کے انسان نے ان مہیب قوتوں کی ہولناک تباہی سے بچنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا علی الصبح افق مشرق پر آتشیں گولہ نمودار ہوا تو وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا، آسمان سے بادل کی گرج، بجلی کی چمک اور رعد کی کڑک روح فرسا ہوئی تو یہ ان کے سامنے سجدے میں گر گیا، اس نے کبھی شیر کو دیوتا بنایا اور کبھی سانپ کو اور کہیں اگنی کی پوجا کرنے لگ گیا'' (کتاب التقدیر ص ۳۱)

یہاں پرویز صاحب لادینیت کو مذہب قرار دے رہے ہیں اور اس سے قبل والی عبارت میں محرف شدہ دین کو مذہب قرار دے رہے تھے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہی پرویز صاحب جب دین اور مذہب کی تعریف لغت کے اعتبار سے کرتے ہیں تو وہاں اس قسم کا کوئی شائبہ تک نہیں ملتا جیسا کہ دین کی تعریف کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''دین'' یہ لفظ بہت سے معنوں میں استعمال ہوا ہے ازاں جملہ، غلبہ، اقتدار، حکومت، مملکت، آئین، قانون، نظم و نسق، فیصلہ، ٹھوس نتیجہ، جزا و سزا، بدلہ ہیں دوسری طرف یہ لفظ اطاعت اور فرمانبرداری کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، صاحب لطائف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اللغہ نے بھی اسکے معنی حساب، غلبہ، تدبیر، اور عادت کے لکھے ہیں، قرآن کریم میں یہ لفظ ان تمام معنی میں استعمال ہوا ہے'' (لغات القرآن ص ۱۸۶)

اور مذہب کی تعریف کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''المذہب' جانا، جانے کی جگہ، راستہ، طریقہ یا وہ عقیدہ جس کی طرف کسی کا رجحان ہو مذہب کا لفظ قرآن کریم میں کہیں نہیں آیا اس لئے اسلام کو مذہب نہیں کہنا چاہیے دین ہی کہنا چاہیے درحقیقت مذہب کے معنی مکتب فکر کے ہیں، ابتدائے اسلام میں صرف دین تھا بعد میں جب مختلف ائمہ فکر وفقہ کی نسبتوں سے مختلف طریقے پیدا ہوئے تو دین کی جگہ مذہب نے لے لی چنانچہ ''ذہب فی الدین مذہبا'' کے معنی ہیں اس نے دین کے بارے میں فلاں عقیدہ اختیار کیا اور 'فلان یذہب الی قول ابی حنیفۃ' کے معنی ہیں فلاں شخص امام ابوحنیفہ کے مسلک کے مطابق چلتا ہے''

(لغات القرآن ص ۵۰۷)

اب اگر پرویز صاحب کی تعریف کے مطابق دین کے معنی آئین، قانون یا حکومت لیا جائے تو مذہب کا مطلب ہوا اس آئین، قانون یا حکومت کو عملی طور پر نافذ کرنے کا طریقہ اور اگر دین کے معنی اطاعت اور فرمانبرداری ہیں تو مذہب کا معنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے متعین کردہ راستے پر چلنا ہوا یعنی دین کو عملی طور پر نافذ کرنے کا طریقہ مذہب کہلائے گا جو اپنی ذات میں صحیح بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی لیکن مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ پرویز صاحب ایک جانب مذہب کو مطعون کرتے ہیں اور دوسری جانب خود اپنا تعلق بھی ایک مذہب ہی سے جوڑتے ہیں چنانچہ ایک سائل کے خط کا جواب دیتے ہوئے پرویز صاحب نے اپنے حنفی المذہب ہونے کی صراحت ان الفاظ میں فرمائی ہے، لکھتے ہیں کہ:

''اگر آپ میرے پاس ہوتے تو ازخود دیکھ لیتے کہ میں نماز کس طرح پڑھتا ہوں لیکن چونکہ آپ یہاں سے دور ہیں اس لئے آپ کو لکھ کر پوچھنے کی ضرورت پڑ گئی،

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں بھی اسی طرح نماز پڑھتا ہوں جس طرح جمہور مسلمان فقہ حنفی کے مطابق نماز پڑھتے ہیں'' (قرآنی فیصلے جلد اول ص ۶۱)

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے پرویز صاحب خود حنفی المذہب ہونے اور عربی لغت سے دین اور مذہب میں کوئی باہم منازعت ثابت نہ کر سکنے کے باوجود آخر کیوں لفظ مذہب پر اتنے برہم ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے دراصل پرویز صاحب کو اپنے خود ساختہ نظریہ تقدیر، نظام ربوبیت اور مرکز ملت وغیرہ جیسے من گھڑت عقائد کے لئے حدیث یا تاریخ اسلام میں کہیں کوئی جائے پناہ نہیں ملتی اسلئے انھوں نے اپنے متبعین کو یہ باور کرانے کا کوشش کی ہے کہ درحقیقت یہ سب چیزیں دین میں موجود تھیں مگر مذاہب نے ان کو چھپا دیا ہے یا بدل ڈالا ہے اس لئے جب تک مذاہب کو نہ ختم کیا جائے یعنی تابعین اور محدثین سے لیکر آج تک کے تمام اہل علم کے سرمایۂ علم وفقہ کو دریا برد نہ کر دیا جائے دین اجاگر نہیں ہوسکتا کیونکہ پرویز صاحب کی نظر میں دین وہ ہے جو پرویز صاحب یا ان کے معتزلہ اسلاف نے سمجھا نیز اگر پرویز صاحب کے بقول مذہب کا لفظ قرآن میں کہیں استعمال نہیں ہوا اس لئے اسلام کو مذہب کہنا غلط ہے تو قرآن میں اللہ تبارک وتعالی کے لئے ''خدا'' کا لفظ بھی کہیں استعمال نہیں ہوا پھر کیوں پرویز صاحب اللہ تعالی کی بجائے ہر جگہ ''خدا'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں اسی طرح طلوع اسلام کی بعض دیگر اصطلاحات بھی کہیں استعمال نہیں ہوئیں ایسی صورت میں ان کے اسلامی ہونے کی پرویز صاحب کے پاس کیا دلیل ہے۔

## خلق اور امر کی بحث:

خلق وامر کی وضاحت کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کریم نے خدا کی دو دنیاؤں کا ذکر کیا ہے ایک کا نام عالم امر ہے جو خدا کی تخلیق کردہ کائنات سے ماوراء ہے اور دوسرا عالم خلق جو خدا کی پیدا کردہ کائنات پر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مشتمل ہے'' (کتاب التقدیر ص ۳۵)

دو دنیاؤں عالم خلق اور عالم امر کا عقیدہ تصوف کی پیداوار ہے جو غالباً پرویز صاحب نے صوفیاء سے ہی اخذ کیا ہے کیونکہ پرویز صاحب عمر کا ایک حصہ تصوف میں گزار کر آئے تھے جس کا تذکرہ انہوں سے اپنی کتاب ''تصوف کی حقیقت'' میں کیا ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ عقیدہ وحدۃ الوجود اسی عالم خلق اور عالم امر کے فرق کا ایک منطقی نتیجہ ہے جو ہر صوفی کا عقیدہ ہے اور اسی فرق کے قائل ہونے کے باعث پرویز صاحب بھی انہی صوفی حضرات کے ہم مشرب قرار پاتے ہیں۔عقیدہ وحدۃ الوجود یہ ہے کہ اس کائنات میں اللہ کے سوا کوئی دوسری چیز موجود نہیں ہے اور اس کائنات میں جو کچھ بھی نظر آتا ہے وہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ ہی کی کوئی کوئی نہ شکل ہے کیونکہ صوفیاء کے نزدیک روح کا تعلق عالم امر سے ہے اور صوفیاء کے قول کے مطابق انسان کے اندر جو روح ہے وہ اللہ کی روح ہے جبکہ جسم کا تعلق عالم خلق سے ہے اسکے نتیجہ میں انسان کا ہر فعل خواہ وہ اچھا ہو یا برا اللہ کا فعل بن جاتا ہے۔پس اس اعتبار سے عالم خلق اور عالم امر کے فرق کا عقیدہ باطل ہے اور صوفیاء کی اپنی ذہنی اختراع سے زیادہ کچھ نہیں البتہ پرویز صاحب کا اس نظریہ کا قائل ہونا ساتھ ساتھ یہ بھی کہنا ہے کہ ''انسان اپنے ہر عمل میں خود مختار ہے چاہے تو خیر کا راستہ اختیار کرے اور چاہے شر کے راستے کا انتخاب کرے بہرصورت آزاد ہے'' عقیدہ عالم خلق وامر کے فرق کی ازخود نفی کر دیتا ہے،اس عقیدہ کے حاملین کہتے ہیں کہ عالم امر وقت کا محتاج نہیں ہوتا یعنی اس عالم میں حکم الٰہی آناً فاناً واقع ہو جاتا ہے اسکی دلیل وہ قرآن سے یہ دیتے ہیں کہ:

﴿وَمَا اَمْرُنَا اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ﴾

یعنی'' ہمارا امر پلک جھپکتے ہی واقع ہو جاتا ہے''

لیکن یہ استدلال درست نہیں کیونکہ یہاں ذکر قیامت کا ہو رہا ہے اور امر سے مراد قیامت

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے جیسا کے ایک دوسرے مقام پر اسکی وضاحت ہے فرمایا:

﴿وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (سورۃ النحل :۷۷)

یعنی ''آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کے پاس ہے اور امر قیامت ایسا ہے جیسا کہ ایک آنکھ کا جھپک جانا یا اس سے بھی زیادہ قریب، بے شک اللہ ہر شئے پر قادر ہے''

یعنی اللہ تعالی اپنی تخلیق میں سے جب اور جس چیز کو چاہے پلک جھپکتے بنا بھی سکتا ہے اور مٹا بھی سکتا ہے اسکے لئے وہ کسی علیحدہ عالم کا محتاج نہیں ہے بلکہ بسا اوقات پلک جھپکتے میں کسی کام کو کر دینے کی قوت اسی عالم خلق میں اللہ تعالی اپنے بعض بندوں کو بھی عطا کرتا ہے مثلا سلیمان علیہ السلام کے درباریوں میں سے ایک شخص کے بارے میں قرآن کی شہادت ہے کہ اس نے ملکہ سبا کا تخت پلک جھپکتے ہی ملک یمن سے فلسطین پہنچا دیا تھا۔

بعض لوگ سورۃ الاعراف کی آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعال نے دو عالم پیدا کیے ہیں ایک عالم خلق اور دوسرا عالم امر ہے حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ اس آیت کریمہ کے الفاظ اور ترجمہ درج ذیل ہیں:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ﴾ (سورۃ الاعراف ۵۴)

یعنی'' جان لو کہ تمام مخلوق اللہ کی ہے اور اس مخلوق میں حکم کا اختیار بھی اللہ ہی کا ہے''

یہاں خلق اور امر دو علیحدہ علیحدہ عالم نہیں ہیں بلکہ خلق پر اختیار اور حکومت کو امر کہا گیا ہے، پرویز صاحب لفظ ''خلق'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''خلق کے معنی ہیں کسی چیز کو بنانے اور کاٹنے کے لئے اسے ماپنا، اسکا اندازہ لگانا (یہی مفہوم تقدیر کا بھی ہے) اسکے تناسب وتوازن کو دیکھنا یا کسی چیز کو دوسری چیز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے مطابق بنانا، کسی چیز کو نرم ہموار کرنا نیز ایک چیز کو دوسری چیز سے بنانا''
(لغات القرآن ص ۵۱۶)

اور ''امر'' کی لغوی بحث کرتے ہوئے پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ:

'' امر کے معنی حکم کے بھی ہیں اور حالت، معاملہ، کام کے یا بات کے بھی ہیں اور جب اسکے معنی حکم کے ہوں تو اسکی جمع آوامر آتی ہے جہاں امر نہی کی ضد ہے اور جب اسکے معنی معاملہ حادثہ یا واقعہ یا حالت ہوں تو تو اسکی جمع امور آتی ہے''
(لغات القرآن ص ۶۵۲)

یہاں پرویز صاحب کی لغت سے بھی اس قسم کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ خلق اور امر دو الگ الگ عالم ہیں بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ خلق اور امر دونوں کا تعلق اسی عالم سے ہوتا ہے جس میں ہم رہتے ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہواور جیسا کہ پرویز صاحب نے فرمایا کہ خلق اور امر دو علیحدہ علیحدہ عالم ہیں تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اس عالم میں امر اللہ کا کوئی عمل دخل نہیں کیونکہ عالم امر تو دوسرا ہے یعنی اللہ نے تخلیق کے بعد اس عالم کو امر یا حکم سے اختیار میں لینے کے بجائے شتر بے مہار کی طرح کھلا چھوڑ دیا ہے کہ اب یہاں کوئی کچھ بھی کرتا رہے اس پر گرفت کرنے کا معاذ اللہ، اللہ تعالی کو کوئی اختیار نہیں بلکہ کچھ قاعدے اور قانون ہیں جن کے مطابق سارا نظام خود بخود چلتا رہتا ہے اور جو کوئی اپنی چالبازی سے ان قوانین کو دھوکا دے گا یا قابو پاسکے وہ کامیاب ہو جائے چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''عالم خلق میں خدا کا امر قاعدے اور قانون کی چاردیواری میں محدود ہوگیا اور وہ مقررہ اندازوں کا پابند ہوگیا'' (کتاب التقدیر ص ۹۳)

قرآن کریم نے اللہ تبارک وتعالی کی متعدد صفات بیان کیں ہیں جیسے العلیم، الخبیر، السمیع، البصیر، اور الرقیب وغیرہ پس پرویز صاحب کے بقول اگر اس عالم میں اللہ کا امر مقررہ اندازوں کا پابند ہے تو ان تمام صفات کا کیا فائدہ ہوا کیونکہ کسی کی کوئی بھی صفت اس وقت مؤثر ہوگی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جب اس صفت کے استعمال پر پابندی نہ ہو۔ مثال کے طور پر ایک شخص کے ہاتھ بھی ہیں پاؤں بھی ہیں مگر وہ شخص فالج زدہ ہے تو ایسا شخص اپنے ہاتھ یا پاؤں سے کسی دوسرے کو کوئی فائدہ یا نقصان کس طرح پہنچا سکتا ہے؟۔ اسی طرح آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ یعنی ''اللہ کو نہ نیند آتی ہے اور نہ ہی اونگھ آتی ہے'' یعنی اس کائنات پر اسکی گرفت ہر وقت اور ہر لمحہ موجود ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کائنات کے قوانین بنا کر فارغ ہے تو پھر نیند یا اونگھ کے نہ آنے کا ہم کو بتانے کا کیا فائدہ ہوا؟ صاف ظاہر ہے کہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ تم ہر وقت اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہو اور تم جس وقت بھی اسے پکارو گے وہ تمہاری پکار سنے گا اور مافوق الفطرت یا ماتحت الفطرت طریقہ سے تمہاری مدد پر قادرِ مطلق ہوگا اور دنیا کا کوئی قاعدہ اور قانون اسکی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ پرویز صاحب نے مسئلہ تقدیر پر بحث سے قبل ''خلق اور امر'' کے مسئلہ کو آخر کیوں چھیڑا ہے اور اسکا جواب یہ ہے کہ مسئلہ تقدیر کے ضمن میں وارد مختلف آیات (جن کا تذکرہ ہم اس کتاب کے مقدمہ میں کر چکے ہیں) کو کسی ایک رخ پر موڑنے کے لئے ایک سہارا درکار تھا جو خلق اور عالم امر کے خود ساختہ تصور سے مل گیا جس کے نتیجہ میں پرویز صاحب نے یہ عقیدہ پیش کیا کہ:

> ''خدائے جلیل، لامحدود اختیارات کا مالک، قادر مطلق لیکن اس نے اپنے وضع کردہ قوانین کو غیر متبدل قرار دے کر اپنے اوپر پابندی عائد کر لی اور اشیاء کائنات بھی ان قوانین کے لئے مجبور پیدا کی گئیں جبکہ انسان کو صاحب اختیار و ارادہ پیدا کیا گیا''

(کتاب التقدیر ص ۱۵)

اپنے اسی عقیدہ کی بنیاد پر پرویز صاحب نے تمام خرق عادت کام مثلاً معجزات اور عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کی پیدائش کا صریح انکار کیا ہے جس کا کھلا ثبوت پرویز صاحب کی تصانیف مثلاً مفہوم القرآن، تبویب القرآن، لغات القرآن وغیرہ میں بکثرت موجود ہے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پرویز صاحب کے قول کے مطابق اس کائنات میں صاحب اختیار صرف انسان ہے جبکہ دیگر تمام اشیاء مجبور ہیں اور اللہ تعالی نے بھی اپنے اوپر از خود پابندی عائد کر لی ہے۔ اب ہم دیکھیں گے کہ اگر کوئی شخص پرویز صاحب کے اس نظریہ کا حامل ہو تو اس دنیا میں اسکا طرز عمل کیا ہوگا؟ کیا ایسا شخص جس کا عقیدہ یہ ہو کہ کائنات کے قوانین ہی اسکی زندگی بنانے اور بگاڑنے میں مکمل کردار ادا کرتے ہیں کبھی اللہ تعالی کی عبادت خلوص دل سے کرسکتا ہے یا کسی مشکل میں پھنس جانے کی صورت میں کبھی اللہ تعالی کو پکارے گا؟ کیا ایسا شخص بلا استثناء تمام احکامات الٰہیہ کی پابندی کرسکتا ہے خاص طور پر ان احکامات جو بظاہر اسکے مفاد میں بھی نہ ہوں؟ اور کیا ایسا شخص اس وقت اپنے آپ کو مایوسی سے بچا سکتا ہے جب اسکی تمام تر کوششوں اور کائناتی قوانین کی مکمل پابندی کے باوجود اسکی محنت کا ثمر اسکے ہاتھ سے جاتا رہا ہو؟ صاف ظاہر ہے کہ نہیں کیونکہ اسکا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نے کائنات میں قوانین بنا دینے بعد اپنے اوپر پابندی عائد کرلی ہے چنانچہ اب اللہ تعالی کسی مافوق الفطرت طریقہ سے اسکی مدد نہیں کرسکتا۔ اسکے برخلاف کوئی بھی ایسا شخص جو عالم خلق اور عالم امر کے علیحدہ ہونے کا قائل نہ ہو وہ ہر مشکل میں اللہ تعالی کو صدق دل سے پکارے گا اور اسکی تمام تر محنت اور کوشش کے باوجود اگر کسی کام کا نتیجہ خلاف نکلے گا تو وہ مایوس ہو کر نہیں بیٹھ جائے گا بلکہ اپنی تقدیر کا لکھا سمجھ کر ضبط وتحمل کا مظاہرہ کریگا اور امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑے گا۔

لفظ ''گمراہی'' کا لغوی اور اصطلاحی معنی:

قرآن کی جن آیات میں انسان کے گمراہ کرنے کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی گئی ہے وہاں مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالی انسان کو گمراہی کے راستے پر چلنے کا حکم دیتا ہے یا اس کو غلط راستہ بتاتا ہے یہ دراصل ہماری اردو زبان کی مجبوری ہے کہ عربی کے لفظ ''یضل'' کا حقیقی معنی اردو زبان میں موجود نہیں جس کی وجہ سے تقریبا تمام مترجمین نے اس لفظ کا معنی ''گمراہ''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بیان کیا ہے مگر اردو زبان کا لفظ ''گمراہ'' اللہ تعالیٰ کی صفت قرار نہیں پا سکتا قرآن کا ترجمہ کرنے والے اکثر مترجمین نے بہت سی آیات میں انسان کو گمراہ کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے جو غلط ہے درحقیقت وہاں گمراہ کرنا مراد نہیں بلکہ گمراہ قرار دینا مراد ہے اور اردو زبان میں اسکا یہی معنی کرنا چاہیے کیونکہ گمراہ کرنے کی آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کا ''خذلان'' ہے یعنی نیکی اور اچھے عمل کی توفیق سے محروم کر دینا اور کسی شخص کو اسکے اعمال کے باعث شیطان کے حوالے کر دینا جیسا کہ سورۃ الزخرف ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ﴾

(الزخرف: ٣٦)

یعنی ''جو شخص اللہ کے ذکر سے روگردانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے پھر وہ شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے''

اسی طرح سورۃ الکہف میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَلَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾

(الکہف: ١٧)

یعنی ''جسے اللہ تعالیٰ ہدایت عطا کرے وہی حاصل کر سکتا ہے اور جسے گمراہ یعنی ہدایت سے محروم کرے تو تم کبھی اس کے لئے راہنمائی کرنے والا دوست نہیں پاؤ گے۔''

یہاں ہم نے لفظ ''یضل'' کا معنی ''ہدایت سے محروم کر دے'' کے ہیں کیونکہ اردو زبان میں ''گمراہ'' کرنے کا ایک لغوی معنی ہے اور ایک اصطلاحی معنی ہے اور اس لفظ کا مفہوم عوام میں لیا جاتا ہے یعنی کسی کے آگے اس کا راستہ گم کر دینا اور اسی لغوی معنی کے اعتبار سے علماء نے قرآن مجید میں لفظ ''اضل یضل'' کا معنی گمراہ کیا ہے۔ یعنی جو شخص کفر و نفاق اور بدعملی میں حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے علم سے جان لیتا ہے کہ اب یہ ایمان، اسلام اور نیکی کے کام کے قابل نہیں ہا اور یہ تا دم مرگ کبھی واپس نہیں آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اپنی خصوصی عنایت اٹھالیتا ہے اور اسکو ازلی دشمن شیطان کے حوالے کر دیتا ہے پھر وہ شیطان کے چنگل سے کبھی چھٹکارا نہیں پا سکتا، یہی وہ لغوی معنی ہیں جس کے باعث اکثر قرآن مجید کا اردو ترجمہ کرنے والوں نے لفظ ''گمراہ'' استعمال کیا ہے۔ جبکہ اسکا دوسرا وہ اصطلاحی مفہوم جو عوام الناس عام طور پر اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں یہ ہے کہ کسی راستہ پر چلنے والے کو اس کے اصل راستے سے ہٹا کر کسی دوسری غلط سمت میں موڑ دینا یہ عمل گمراہ کرنے کے ساتھ ساتھ دھوکہ دہی اور بے ایمانی پر مشتمل ہوتا ہے چنانچہ اس قسم کی گمراہی کے فعل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا قطعی جائز نہیں، اللہ تعالیٰ اس نوعیت کی گھناؤنی حرکت سے پاک اور منزہ ہے لہٰذا اس اعتبار سے قرآن کریم میں وارد لفظ ''اضل یضل'' کا معنی گمراہ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ مزید برآں جب لفظ ''اضل یضل'' کا ترجمہ لغوی اعتبار سے ''گمراہ'' کیا جائے تو اس وقت بھی اس لفظ کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ نہیں ہوگا اس وقت اس فعل کی نسبت اصل فاعل کے بجائے اس کے سبب کی طرف ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے اس انسان سے اٹھا لینے کے باعث اسکی گمراہی کا سبب بن جاتا ہے اس طرح اس انسان کی گمراہی کی نسبت اللہ تعالیٰ اپنی جانب کرتا ہے حالانکہ اصل میں اسکو گمراہ کرنے والا اسکا اپنا نفس اور شیطان ہوتے ہیں اور انسان کی گمراہی کے اسباب مختلف اوقات میں مختلف ہو سکتے ہیں مثلاً سورۃ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾ (سورہ البقرۃ: ٢٦)

یعنی'' بے شک اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ وہ مچھر کی ہو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یا اس سے بھی ہلکی کسی چیز کی ہو، ایمان لانے والے تو اسے اپنے رب کی جانب سے حق سمجھتے ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ اللہ نے اس مثال سے بھلا کیا مراد لی ؟ اسکے ذریعے اللہ بیشتر کو گمراہ کرتا ہے اور اکثر لوگوں کر راہ راست پر لاتا ہے اور گمراہ تو صرف فاسقوں کو کرتا ہے"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے ہدایت و گمراہی کے فلسفہ کو نہایت شرح وبست کے ساتھ بیان کردیا ہے جس میں بنیادی بات یہ بیان کی کہ گمراہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو فاسق ہوں یعنی ان کی نیت اور عمل میں پہلے سے ہی کھوٹ ہوتا ہے۔ تب اللہ تعالی ایسے لوگوں کو کسی نہ کسی آزمائش میں ڈالتا ہے پھر وہ گمراہی میں مبتلا ہوجاتے ہیں جبکہ وہ لوگ جو اللہ تعالی کے علم میں ہدایت کے مستحق ہوتے ہیں وہ آزمائش میں کامیاب ہوکر ہدایت یافتہ بن جاتے ہیں۔ جس طرح مذکورہ آیت میں اللہ تعالی نے مچھر کی مثال بیان کر کے مومنوں کو کافروں سے اس طرح علیحدہ کرلیا جس طرح دہی بھینٹ کر مکھن کو چھاچھ سے علیحدہ کرلیا جاتا ہے اس طرح قرآن کی کوئی آیت ایک گروہ کے لئے ہدایت کا باعث ہوتی مگر وہی آیت کسی دوسرے گروہ یا شخص کے لئے گمراہی کا موجب بن سکتی ہے یعنی مومنین کے لئے بحیثیت مجموعی قرآن شفاء اور رحمت جبکہ فاسقوں اور کافروں کے لئے یہی قرآن زحمت بھی بن سکتا ہے۔ جیسا کہ امت مسلمہ کے اکثر گمراہ فرقوں نے اپنے لئے گمراہی کا سامان قرآن سے ہی حاصل کیا مثلا خوارج اور جبریہ فرقوں نے اپنے لئے گمراہی کا سامان قرآن سے حاصل کیا اسی طرح موجود دور میں قادیانیوں نے اپنی گمراہی پر مہر تصدیق قرآن کی آیات سے ثبت کی۔ اسی طرح بریلوی اور دیوبندی حضرات نے اپنے غلط عقیدوں کی تائید بعض متشابہ آیات کی غلط تفسیروں سے کی اور قرآن کو اپنے لئے زحمت بنایا۔ حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالی کسی کو بالفعل گمراہ نہیں کرتا بلکہ ایسے اسباب پیدا کرتا ہے جو کسی کے دل میں چھپی خباثت کو ظاہر کردیتے ہیں جس طرح ابلیس کے دل میں چھپے ہوئے تکبر کو اللہ تعالی نے ابلیس کو آدم کے سامنے سجدہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کرنے کا حکم دیکر ظاہر کر دیا اسی اصول کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ جاثیہ میں یوں بیان کیا کہ:

﴿وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ (سورۃ الجاثیہ: ۲۳)

یعنی ''جن لوگوں نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا الہ بنا رکھا ہے اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان کا علم تھا اس لئے اللہ نے انہیں اپنے علم الغیب کی بنیاد پر گمراہ قرار دیا یا گمراہ لکھدیا ہے''

کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی برائی کا حکم نہیں دیتا بلکہ سورۃ النحل کی آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ عدل، احسان، رشتہ داروں سے حسن سلوک اور برائی سے دور رہنے کو حکم دیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ''گمراہ کرنے'' کا لفظ ان معنوں میں استعمال کرنا جائز نہیں جن معنوں میں ہماری اردو زبان میں مستعمل ہے اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو لفظ ''اضل یضل'' آیا ہے اسکی وضاحت علامہ راغب اصفہانی نے یوں کی ہے کہ:۔

واضلال الله تعالٰی للانسان علی احد وجهین: احد اهما ان یکون سببه الضلال وهو ان یضل الانسان فیحکم الله علیه بذالك فی الدنیا ویعدل به عن طریق الجنة الی النار فی الاخرة وذالك هو اضلال حق وعدل فالحکم علی الضال بضلالة والعدول به عن طریق الجنة الی النار عدل و حق والثانی من اضلال الله هو ان الله تعالٰی وضع جبلة الانسان علی هئیة اذا راعی طریقا محمودا کان او مذموما الفه واستطابه ولزمه وتعذر صرفه وانصرافه عنه ویصیر ذالك کا الطبع الذی یاتی علی النافل ولذالك قیل العادة طبع ثان وهذه القوة فی الانسان فعل الٰهی واذا کان کذالك وقد ذکر فی غیر هذا الموضع ان کن شئی یکون سببا فی وقوع فعل صح نسبة ذالك الفعل الیه فصح ان ینسب ضلال العبد الی الله من هذا الوجه فیقال اضله الله لا علی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الوجه الذی یتصور الجهلة ولما قلناه جعل الاضلال المنسوب الی نفسه للکافر و الفاسق دون المؤمن بل نفی عن نفسه اضلال المؤمن فقال ﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ﴾ (سورۃ توبۃ ۱۱۵) و قال للکافر و الفاسق ﴿فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾ (سورۃ محمد ۸)

یعنی ''انسان کے گمراہ کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف دو اعتبار سے کی جاتی ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہ انسان پر گمراہی کا حکم لگایا یعنی وہ گمراہ خود ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس اختیاری عمل پر گمراہ ہونے کا حکم لگایا اور اسکا مقام جنت کے بجائے جہنم کو قرار دیا، اللہ تعالیٰ کا اس پر گمراہ ہونے کا حکم لگانا حق اور عین انصاف ہوتا ہے اور جہنم کو ایسے شخص کی قسمت قرار دینا نہایت موزوں اور مطابق واقعہ ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ایسے شخص کو گمراہ کرنے کا دوسرا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو ایسی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے کہ جس راستے پر چلنے کی عادت ڈالتا ہے وہ اسکو چھوڑنا گوارا نہیں کرتا خواہ وہ راستہ صحیح ہو یا غلط وہ اپنے لئے اسی کو اچھا سمجھتا ہے اور اسی پر مرمٹنے کے لئے تیار رہتا ہے اور یہ عادت ایسی شکل اختیار کر لیتی ہے جیسے کسی نے مہر لگا دی ہو۔ اسلئے بطور مثال کہا جاتا ہے کہ عادت اصل مہر پر دوسری مہر ہوتی ہے اور انسان کے اندر ایسی عادتی قوت پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو حقیقی اور اصلی فاعل ہے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے خواہ وہ شر ہو یا خیر ہو اور یہ بات اپنی جگہ پر مذکورہ ہے کہ کسی فعل کا جو شئی سبب ہوتا ہے اس فعل کی نسبت اسکی طرف کرنا جائز ہوتا ہے اور چونکہ ہر عمل کی قوت جو انسان میں ہوتی ہے اسکا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اسی اعتبار سے انسان کے گمراہ کرنے کی نسبت قرآن میں اللہ تعالیٰ کی جانب کی گئی ہے نہ کہ اس اعتبار سے جو کہ جہلا سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



انسان کو گمراہ کرنے کی نسبت کافر اور فاسق کی طرف کی گئی ہے مومن کی طرف نہیں کی گئی بلکہ اللہ تعالی سے مومن کی گمراہ کرنے کی نفی ثابت ہے جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ارشاد باری تعالی ہے کہ'' اللہ تعالی جس قوم کو ہدایت فرماتا ہے پھر اسے گمراہ نہیں کرتا'' اور کافروں کے بارے میں سورۃ محمد میں ارشاد ہوا کہ'' کافروں کے لئے ہلاکت ہے اور انکے اعمال برباد کر دیے جاتے ہیں''

پس یہاں علامہ راغب اصفہانی نے دوٹوک اور فیصلہ کن بات کہی ہے کہ انسان کو گمراہ کرنے کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرنے کے صرف دو ہی اسباب ہیں اولاً یہ کہ اللہ تعالی نے ان کو گمراہ لکھا ہے اور ان پر گمراہ ہونے کا حکم لگایا ہے ثانیاً یہ کہ اللہ تعالی نے ہر انسان کے اندر خیر وشر کی قوت پیدا کی ہے پس جس انسان کے اندر شر کی قوت غالب آ جاتی ہے اور وہ انسان گمراہ ہو جاتا ہے تو اسکی گمراہی کی نسبت شر کا خالق ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالی نے اپنی جانب کی ہے یعنی گمراہی کے فعل کا فاعل حقیقی اللہ تعالی نہیں ہوتا اس لئے اردو زبان میں دستیاب قرآن مجید کے تراجم جن میں فعل کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی جاتی ہے ان سے عوام الناس میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور پرویز صاحب جیسے شاطر لوگ ایسی باتوں کا سہارا لے کر قرآن کے اسلوب اور عربی زبان سے ناواقف لوگوں کو خوب گمراہ کرتے ہیں۔

## ''جبر'' اور ''قدر'' کا بنیادی فرق:

انسانوں کی تقدیر لکھنے کا جو ذکر قرآن کریم اور احادیث نبوی ﷺ میں ملتا ہے اس سے کسی جبر واکراہ کا ثبوت نہیں ملتا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ پیدائش کے بعد لوگ جو نیکی یا برائی کا ہر عمل اپنی مرضی سے کریں گے اللہ تعالی کو اسکا علم ان کی پیدائش سے ہزاروں برس قبل تھا اور اللہ تعالی نے انکے ہر متوقع عمل کو لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا اور فیصلہ کر دیا تھا کہ جو کچھ کسی شخص کے بارے میں ہم نے لکھا ہے اسکے خلاف ہونا قطعی ناممکن ہے کیونکہ اگر ایسا ہو جائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کہ کسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اسکے خلاف عمل کرے تو اللہ تعالیٰ کا عالم الغیب ہونا غلط ثابت ہو جائے گا۔ بس تقدیر انسانی کے لکھے جانے کی صرف یہی حقیقت ہے لیکن تقدیر کا یہ لکھا جانا دنیا کے بہت سے لوگوں کے لئے فتنہ کا باعث بن گیا اور انھوں نے اسے جبر سمجھتے ہوئے تقدیر کا کلی طور پر انکار کر دیا مثلاً پرویز صاحب تقدیر کو جبر قرار دیتے ہیں جس طرح جبریہ فرقہ نے سمجھا تھا اور تقدیر پر ایمان کو ابلیس کا طرز عمل قرار دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کریم میں جبر اور اختیار کے مسئلہ کو قصہ آدم کے تمثیلی انداز میں نہایت دل نشین طریق سے حل کر دیا ہے خدا نے آدم کو بھی ایک حکم دیا اور ابلیس کو بھی، آدم سے بھی اس حکم کی معصیت سرزد ہوئی اور ابلیس سے بھی، جب آدم سے پوچھا گیا تو نے ایسا کیوں کیا تو اس نے جھکی ہوئی نگاہوں سے کہا کہ ہم سے غلطی ہوئی ہم اسکا اعتراف کرتے ہیں ہم نادم ہیں شرمسار ہیں یعنی آدم نے اسکا اعتراف کیا کہ اس معصیت کا ذمہ دار وہ خود ہے اسکے برعکس جب ابلیس سے یہی سوال کیا گیا کہ تم نے حکم خداوندی سے سرتابی کیوں برتی ہے تو اس نے خدا سے کہا کہ 'اے رب تو نے مجھے گمراہ کیا ہے یہاں سب کچھ تیرے حکم سے ہوتا ہے تو نہ چاہتا تو میں سرکشی کس طرح اختیار کر سکتا تھا'' (کتاب التقدیر ص ۵۳، ۵۴)

پرویز صاحب کے مندرجہ بالا الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ قصہ آدم وابلیس کو محض تمثیلی قصہ سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک اس سے آدم وابلیس نام کی کوئی شخصیتیں مراد نہیں۔ اس اعتبار سے پرویز صاحب کو صرف منکر حدیث کہنا صحیح نہیں بلکہ قصہ آدم وابلیس کی حقیقت سے انکار کر کے وہ منکر ومحرف قرآن بھی قرار پاتے ہیں نیز پرویز صاحب کے یہ الفاظ کہ ''اے رب تو نے مجھے گمراہ کیا ہے'' یہاں سب کچھ تیرے حکم سے ہوتا ہے'' شیطان کے یہ الفاظ قرآن میں کہیں نہیں ہیں بلکہ پرویز صاحب کی اپنی اختراع ہے اور ابلیس اتنا جاہل نہیں تھا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ایسی بات کہتا کہ میرا سجدہ نہ کرنا رب کے حکم سے تھا بلکہ ابلیس کے الفاظ ﴿فبما اغویتنی﴾ کا ترجمہ ''تو نے مجھے گمراہ کیا'' کرنا بھی غلط ہے اسکے بجائے اسکا صحیح معنی ''تو نے مجھے گمراہ قرار دیا'' ہوں گے ۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو کوئی ایسا حکم نہیں دیا تھا جس کو اس کی گمراہی کہا جائے بلکہ اس حکم کی سرتابی اسکے لئے گمراہ قرار دیئے جانے کا سبب بنی تھی پس یہ طرز عمل کسی کو بھی زیب نہیں دیتا کہ غلطی سرزد ہوجانے کے بعد اپنی غلطی کی ذمہ داری قبول کرنے کی بجائے ان اسباب وعوامل پر ڈال دے جو اسے اس غلطی کے کرنے میں معاون ثابت ہوئے ہوں ، ایک حدیث میں آتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات آسمان پر آدم علیہ السلام سے ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے آدم علیہ السلام سے کہا کہ اگر آپ جنت میں شجر ممنوعہ سے نہ کھاتے تو ہم مزے سے جنت ہی میں ہوتے اور دنیا کی مشکلات سے ہمارا سابقہ نہ ہوتا اس کے جواب میں آدم علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ غلطی میرے نامہ اعمال میں میری پیدائش سے قبل ہی لکھ دی تھی پھر میں وہ غلطی کیسے نہ کرتا اس پر موسیٰ علیہ السلام لاجواب ہو گئے یعنی آدم علیہ السلام نے جب تقدیر سے استدلال کیا تو موسیٰ علیہ السلام کچھ نہیں بولے ۔ (صحیح بخاری: 6614، صحیح مسلم :6742، ابو داؤد: 4701، ابن ماجہ: 80)۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اس طرح کا جواب اسی وقت ممکن ہے جب غلطی سے گناہ سرزد ہو جائے اور عمداً گناہ کرنے کی صورت میں اس طرح کا استدلال ممکن نہیں ہے اس سے معلوم کہ ابلیس کا یہ کہنا کہ ''اے رب تو نے مجھے گمراہ قرار دیا'' تقدیر پر ایمان سے متعلق نہیں ، قرآن کریم میں ایک مقام پر ابلیس کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں کہ ﴿فبما اغویتنی﴾ (سورۃ الاعراف) اور دوسرے مقام پر ﴿رب بما اغویتنی﴾ (سورۃ الحجر) یہاں لفظ [اغویتنی] قابل غور ہے بعض علماء نے اسکا معنی کیا ہے [اھلکتنی] یعنی آپ نے مجھے ہلاکت میں ڈال دیا ، اور تفسیر بحر المحیط میں علامہ ابو حیان اندلسی نے ابلیس کے قول ﴿فبما اغویتنی﴾ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''وقیل سمیتنی غاویا لتکبری عن السجود'' (ص ۲۷۵ ج ٤)

یعنی'' آپ نے مجھے میرے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے گمراہ قرار دیا جو میرے تکبر کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وجہ سے تھا۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''ابن عباس رضی اللہ عنہما نے [اغویتنی] کا معنی کیا ہے [کما اضللتنی]'' اس لفظ کی ہم بعد میں تشریح کریں گے لیکن جن لوگوں نے اسکا معنی [اھلکتنی] کیا ہے اسکی دلیل سورۃ مریم کی یہ آیت ہے کہ ﴿ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴾ یعنی'' (جو لوگ نمازوں کو ضائع کرتے ہیں) عنقریب وہ ہلاکت سے دوچار ہوں گے'' اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کبیر میں اسکا معنی لکھا ہے کہ'' آپ نے مجھ کو لعنت کی ہے اس لئے میں آدم کی اولاد کو گمراہ کروں گا'' اور ابلیس پر لعنت کرنا قرآن سے مذکور ہے جیسا سورۃ ص میں ارشاد فرمایا'' تو یہاں سے نکل جا تو مردود ہوا، اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہے'' اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق اس آیت کا معنی ہوگا'' جس شخص اور ذات کے سبب آپ نے مجھے گمراہ قرار دیا اور میری گمراہی ظاہر کی میں اسکی اولاد کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا'' ابن عباس کے لفظ [کما اضللتنی] کا ہم نے یہ معنی کیا ہے کہ'' آپ نے مجھے گمراہ قرار دیا میری گمراہی ظاہر کی ہے یا میری گمراہی کا آپ سبب بنے ہیں'' یعنی اسکا ترجمہ ہم نے عام تراجم کی طرح یہ نہیں کیا کہ'' آپ نے مجھے گمراہ کیا'' کیونکہ لفظ [گمراہ کرنا] اردو زبان میں لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے الگ الگ مفہوم دیتا ہے اسکی تفصیل ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں البتہ جو گناہ سہواً سرزد ہو جائے اس ضمن میں صحیح طرز عمل یہ ہے انسان اس خطاء کو اپنی طرف منسوب کرے اور جب کوئی نیکی یا اچھائی کا کسب کرے تو اللہ تعالی کی مہربانی اور توفیق پر منطبق کرے جیسا کہ قرآن میں اہل جنت کا قول نقل کیا گیا ہے کہ:

﴿ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَ نُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



﴿اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (الاعراف: ۴۳)

یعنی ''ان کے دلوں میں جو کدورتیں ہوں گی ہم ان کو دھو ڈالیں گے اور وہ کہیں گے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں ہدایت دی اور ہم ہرگز ہدایت حاصل نہ کر پاتے اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا، بے شک رسول حق کے ساتھ ہمارے پاس آئے، تب ندا آئے گی کہ یہ جنت جو تمہیں ملی ہے تم اسکے وارث اپنے اعمال کی وجہ سے بنے ہو۔''

یہاں اہل جنت نے اپنے اعمال کا نتیجہ جنت قرار نہیں دیا بلکہ اس انعام کو اللہ تعالی کا احسان قرار دیا کیونکہ اللہ تعالی نے ان کی تقدیر میں ہدایت لکھی تھی بصورت دیگر وہ نہ ہدایت پاتے، نہ ہی نیک اعمال کر سکتے اور نہ جنت میں داخل ہوتے یعنی انسان کو اپنے اچھے عمل کو بھی اپنا کسب کہنے سے گریز کرنا چاہیے جبکہ برے عمل کا ذمہ دار خود کو سمجھنا چاہیے لیکن چونکہ ابلیس نے ایسا نہیں کیا اس لئے وہ ملعون قرار پایا اور چونکہ سجدہ کے فعل کا سبب اللہ تعالی تھا اس لئے اغویتنی کے ظاہر لفظ کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی یعنی ابلیس کا آدم کو سجدہ نہ کرنا اللہ تعالی کو جانب سے کسی جبر کی بنا پر نہیں بلکہ ابلیس کے ذاتی تکبر کی بنا پر تھا البتہ اسکا یہ تکبر کرنا اللہ تعالی کے علم کامل میں ہمیشہ سے تھا اور اللہ تعالی نے اپنے علم کی بنیاد پر ابلیس کے اس فعل کو اسکے واقع ہونے سے قبل کائنات کی پیدائش کے وقت کتاب مکنون میں لکھ دیا تھا جسے ہم ابلیس کی تقدیر کہہ سکتے ہیں اس بحث سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ ''جبر ''اور'' قدر'' ایک ہی چیز کے دو نام نہیں بلکہ یہ دو الگ اور مستقل الفاظ ہیں آپس میں ایک دوسرے کا متبادل قرار دینا محض جہالت ہے۔

## لفظ ''مغویتنی'' کی پرویزی تشریح:

پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''قرآن کریم کی تعلیم کو صحیح طور پر سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ متعلقہ موضوع کے متعلق قرآن کریم میں جہاں جہاں جو کچھ آیا ہے اسے سامنے رکھ کر یہ سمجھا جائے کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے اور اسکی اس بنیادی تعلیم کی رو سے متعلقہ آیات کا ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم متعین کیا جائے'' (کتاب التقدیر ص ۵۶۲)

پرویز صاحب کے اس خود ساختہ اصول نے جو حشر قرآن پر ڈھایا ہے اسکی تفصیل کا یہ موقع نہیں البتہ مسئلہ تقدیر کے ضمن میں اس پرویزی اصول کی کچھ شعبدہ بازیاں ہم قارئین کے سامنے ضرور پیش کرنا چاہیں گے اس سلسلہ میں پہلے اصول ''متعلقہ موضوع کے متعلق قرآن میں جہاں کہیں جو کچھ آیا ہے'' کا جائزہ حاضر ہے چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کریم میں قانون کا لفظ تو نہیں آیا لیکن تعلیم اس کی ساری تعلیم قانون کے تصور کے گرد گھومتی ہے اور دین کی عمارت اسی بنیاد پر استوار ہوتی ہے، قانون سے مراد عدالتی قانون ہی نہیں یہ ایک بڑی وسیع اور ہمہ گیر اصطلاح ہے، قانون سے مراد یہ ہے کہ ''اگر تم ایسا کرو گے تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا اور ہمیشہ ایسا ہی ہوگا'' (تبویب القرآن ص ۱۱۰۷)

معلوم ہونا چاہیے کہ ''قانون'' عربی زبان کا لفظ ہے جو بقول پرویز صاحب قرآن میں آیا ہی نہیں اسکے باوجود پرویز صاحب قرآن کی پوری تعلیم کا مرکزی نقطہ ''قانون'' کو قرار دے رہے ہیں یہ انکی خاص تفہیم کا شاخسانہ ہے، پرویز صاحب کی کتاب التقدیر میں ''متعلقہ موضوع'' تقدیر ہے لیکن وہ تقدیر کا مطلب بھی قانون کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''باادنیٰ تدبر یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ جس چیز کو قرآن نے ''قدر'' کہہ کر پکارا ہے اسے ہماری اصطلاح میں قانون فطرت کہا جاتا ہے'' (کتاب التقدیر ص ۳۹)

پرویز صاحب جب تقدیر کا معنی قانون فطرت کہہ کر کرتے ہیں اور وہ قانون فطرت میں تبدیلی کے بھی قائل نہیں تو پھر گویا تقدیر کی عدم تبدیلی بھی انھوں نے مان لی اگر چہ لفظ تقدیر سے نہیں مگر قانون فطرت کے لفظ سے اس حقیقت کو مان لیا ہے، پرویز صاحب اگر تقدیر کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



معنی قانون فطرت کرتے ہیں تو انسان کو اس سے مستثنیٰ قرار نہیں دے سکتے کیونکہ لغت کی مشہور کتاب القاموس میں قانون کی تعریف کے تحت لکھا ہے کہ ''والقانون مقیاس کل شئی جمعہ قوانین'' یعنی ہر چیز کے ناپنے کے آلہ کا نام ہے، تو اس اعتبار سے لفظ قانون تقدیر کے ہم معنی ہوا اور جس طرح ہر چیز پرویز صاحب کے نزدیک قانون فطرت کے تابع ہے اس سے باہر اسکا کوئی اختیار نہیں تو اس طرح ہر چیز بشمول انسان تقدیر کے تابع ہوئی اسکے باہر اسکا کوئی اختیار نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم میں فرمایا کہ:

﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾

(الروم: ۳۰)

یعنی ''اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایسی فطرت پر پیدا کیا ہے جس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ انسان بھی قانون فطرت کے تابع ہے اس سے خارج نہیں علاوہ ازیں ماہرین لغت میں سے کسی نے بھی قدر کا مطلب قانون نہیں لکھا جبکہ پرویز صاحب باادنیٰ تدبر ہی قدر کے معنی قانون سمجھ لیتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہوا علماء فقہاء اور ماہرین لغت میں سے کسی کو وہ ادنیٰ تدبر بھی حاصل نہیں تھا جو پرویز صاحب کو حاصل ہے۔ اسی طرح کلمۃ اللہ اور سنت اللہ کا مطلب بھی پرویز صاحب کے نزدیک قانون ہے حالانکہ لغت میں ''کلمہ'' کے معنی ہیں ایک لفظ یا ایک بات یا ایک جملہ یا ایک قصیدہ یا ایک خطبہ اسکی جمع کلمات آتی ہے جسکے معنی امور کے بھی ہیں اسی طرح لفظ ''سنت'' کے معنی ہوتے ہیں راستہ یا طریقہ یا معمول یا مسلک لیکن پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ:

''قانون خداوندی کے لئے قرآن میں دو الفاظ آئے ہیں ایک کلمۃ اللہ اور دوسرے سنت اللہ، قرآن پر تدبر سے ان دونوں میں یہ فرق سامنے آجاتا ہے کہ ''کلمہ'' قانون کی نظری حیثیت ہے جسے فارمولا کہا جاسکتا ہے اور ''سنت اللہ'' اس فارمولے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کی عملی شکل ہے یعنی جب وہ نظری قانون عملی پیکر اختیار کر لے تو اسے سنت اللہ سے تعبیر کیا جائے گا'' (کتاب التقدیر ص ۴۳)

قرآن کریم کی جن آیات میں بھی سنت اللہ کے تبدیل نہ ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے ان تمام کا سیاق وسباق اس بات پر شاہد ہے کہ ان مقامات پر سنت اللہ سے کفار پر عذاب بھیجنے کی سنت مراد ہے یعنی اس سے اللہ تعالیٰ کے جمیع اختیارات مراد نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ ایک مرتبہ قوانین بنا دینے کے بعد اس کائنات پر اللہ تعالیٰ کا اختیار معاذ اللہ ختم ہوگیا ہے۔ لیکن پرویز صاحب یہی باور کروانا چاہتے ہیں کہ کائنات کے تمام قوانین اٹل ہیں اور ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تاکہ تمام انبیاء کرام کے معجزات کے انکار کا دروازہ کھل سکے کیونکہ پرویز صاحب اور انکے متبعین کے خیال میں یہ معجزات اور خرق عادت امور ان کو اہل مغرب کے سامنے نشانہ تضحیک بنا دیتے ہیں چنانچہ پرویز صاحب کے خصوصی تدبر نے یہاں کارفرمائی دکھائی ہے اور یہ تدبر اس سے آگے بھی چل رہا ہے ''وعداللہ'' کا مطلب بھی قانون ہوتا ہے، لفظ ''وعدہ'' اردو زبان میں بھی مستعمل ہے جس کے معنی عہد و پیمان ہوتے ہیں لیکن پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

'' خدا کے ''وعدے'' درحقیقت اسکے مقرر کردہ قوانین ہیں اور انکی خلاف ورزی نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان قوانین میں کبھی تبدیلی نہیں ہوگی''

(کتاب التقدیر ص ۴۷)

جبکہ ایک دوسرے مقام پر پرویز صاحب فرماتے ہیں کہ:

''خدا کے وعدوں سے مراد وہ نتائج ہیں جو اسکے قوانین پر عمل کرنے سے مرتب ہوتے ہیں اور جن میں کبھی خطاء نہیں ہوتی اسی طرح ان قوانین سے سرکشی برتنے کے نتائج وعید ہیں'' (لغات القرآن ص ۱۷۲۲)

اسکے بعد پرویز صاحب کا یہ تدبر ایک چھلانگ اور لگاتا ہے اور ''کتاب اللہ'' کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مطلب بھی قانون دریافت کر لیتا ہے حالانکہ لفظ ''کتاب'' کے معنی ہوتے ہیں فیصلہ یا حکم یا کسی لکھی ہوئی چیز کو بھی کتاب کہتے ہیں خواہ وہ چند الفاظ ہی کیوں نہ ہوں جبکہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مادہ (ک،ت،ب) جس سے کتاب کا لفظ وضع ہوا ہے کے بنیادی معانی میں ''قانون'' یا جو کچھ ازروئے قانون کسی پر واجب قرار دیا گیا ہو شامل ہے قران کریم میں متعدد مقامات پر انہی معنوں میں آیا ہے'' (کتاب التقدیر ص ۱۰۸)

اب تک جن الفاظ کو پرویز صاحب نے قانون سے تعبیر کیا وہ غالباً ان الفاظ کا مفہوم تھا کیونکہ اب وہ لفظ ''حکم'' کے معنی ہی قانون بتاتے ہیں حالانکہ لفظ ''حکم'' کا اطلاق ایسے فیصلہ پر ہوتا ہے جو عدل و انصاف کے ساتھ کیا جائے اور پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اکثر کے نزدیک کتاب حکم کے معنی میں ہے، ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قرآن میں قانون کا لفظ نہیں آیا اسکی جگہ عام طور پر حکم کے معنی فیصلہ کے ہوتے ہیں اور جو فیصلہ یا حکم مستقل اور غیر متبدل ہوا اسے قانون کہتے ہیں'' (کتاب التقدیر ص ۱۰۹)

قرآن میں کتاب اور حکمت کا لفظ اکثر مقامات پر ساتھ ساتھ آیا ہے اسکا سبب بیان کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کریم میں ''کتاب وحکمت'' دونوں کو منزل من اللہ کہا گیا ہے،'' کتاب ''قانون کا ''اگر'' حصہ ہے اور ''حکمت'' اسکی ''تو'' ہے، اگر کسی حکم میں میں ''اگر'' کے ساتھ ''تو'' نہ ہو تو وہ حکم ''قانون'' کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا''

(کتاب التقدیر ص ۱۶۳)

پرویز صاحب نے مسئلہ تقدیر کو اپنی مرضی کے مطابق حل کرنے لئے یہ بہترین نسخہ تلاش کیا ہے جہاں کسی آیت میں پھنس جاتے ہیں فوراً کسی نہ کسی لفظ کا مطلب ''قانون'' بتا دیتے ہیں اسی روش پر چلتے ہوئے انھوں نے ''اذن اللہ'' کا مطلب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بھی قانون بتایا ہے حالانکہ اس لفظ کے معنی مرضی یا اجازت کے ہوتے ہیں لیکن پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''جب خدا کا علم اور ارادہ عالم خلق میں کارفرما ہوتا ہے تو وہ قانون کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جیسا کہ ہم حکم کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ جب ایک حکم مستقل طور پر دے دیا جائے اور وہ غیر متبدل ہو تو وہ قانون بن جاتا ہے یہی کیفیت ''اذن'' یعنی اجازت کی ہے، جب کسی بات کی اجازت مستقل طور پر دے دی جائے تو وہ ہماری اصطلاح میں قانون کہلائے گی قرآن میں ''اذن اللہ'' کی اصطلاح انہیں معنوں آئی ہے'' (کتاب التقدیر ص ۱۱۹)

قرآن کریم میں انشاء اللہ، ماشاء اللہ اور من یشاء وغیرہ کے الفاظ بار بار آئے ہیں اس سے پیچھا چھڑانے کے لئے پرویز صاحب نے مشیت کے لفظ کو بھی قانون سے جوڑ دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''طبعی کائنات میں جو قوانین فطرت کارفرما ہیں، قرآنی نقطہ آغاز میں وہ بھی قوانین مشیت ہیں اور انسانی زندگی سے متعلق جو قوانین بذریعہ وحی عطا ہوئے ہیں انہیں بھی قوانین مشیت کہا جائے گا'' (کتاب التقدیر ص ۱۹۶)

قرآن مریم میں بعض مقامات پر رزق کی بست وکشاد کو مشروط قرار دیا گیا ہے مثلاً ایک شرط ''ذکر'' ہے جس کے معنی نصیحت اور یاددہانی کے ہیں لیکن پرویز صاحب نے اسکے معنی بھی قانون کئے ہیں، چنانچہ لکھا کہ:

''خدا کے قانون مشیت کے مطابق رزق کی بست وکشاد ہوتی ہے، چنانچہ اس نے واضح الفاظ میں کہا: ''﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا﴾ یعنی ''جو شخص یا قوم ہمارے قوانین سے اعراض برتے گی اس کی روزی تنگ کر دی جائے گی۔'' (کتاب التقدیر ص ۲۷۹)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پرویز صاحب سے ایک سوال ہے کہ اس زمانے میں یا اس سے پہلے بھی دشمنان اسلام ہمیشہ مال ودولت اور عزت وحشمت کے ساتھ رہتے رہے ہیں جبکہ تقریبا تمام انبیاء کرام اور ان کے متبعین نے دنیا میں کسمپرسی کی زندگی گزاری اور اسی طرح مسلمانوں نے بھی اپنے دور عروج سے قبل ایک طویل مدت تنگ دستی میں بسر کی اور جانثار صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد اسلام کے عروج سے قبل ہی وفات پا گئی اب سوال یہ ہے کہ پرویز صاحب کی نظر میں وہ تمام شخصیات بھی ذکر [قوانین خداوندی] سے اعراض برتنے والی تھیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی کسمپرسی میں بسر کردی اسکے علاوہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام ٤٤)

یعنی ''جب لوگ ذکر [نصیحت] کو بھول گئے تو ہم نے ان پر تمام نعمتوں کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب وہ خوب مست ہوگئے تو ہم نے انکو دفعتاً پکڑ لیا پھر وہ مایوس ہوکر رہ گئے'' اگر پرویز صاحب کے بقول لفظ ''ذکر'' کا مطلب قانون خداوندی ہے تو پھر یہ آیت اس سے قبل نقل کی گئی آیت کی نفی پر مشتمل ہو جائے گی کیونکہ وہاں قوانین خداوندی سے منہ موڑنے والوں پر معیشت تنگ کرنے کا ذکر ہے جبکہ یہاں قوانین خداوندی سے اعراض کرنے والوں پر نعمتوں کی بارش ہونے کا تذکرہ ہے دراصل پرویز صاحب اپنی خصوصی قرآنی فکر عوام الناس پر تھوپنے کے لئے بعض اوقات اس حد تک چلے جاتے ہیں کہ ''جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسنے'' کا محاورہ ان پر صادق آنے لگتا ہے اسکی مثال لفظ ''دعا'' جس کے معنی پکارنا اور مانگنا کے ہیں اسکی پرویزی تشریح ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

''سورۃ الانعام میں کہا گیا کہ کہو ''میں غیر اللہ کو کیسے پکاروں جبکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خدا کے سامنے ہی جھکوں اور اسکے سوا کسی کی اطاعت نہ کروں'' ہدایت خداوندی اور اسکے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ خدا کو پکارنے یعنی ''دعا'' سے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مراد احکام وقوانین کی اطاعت کرنا ہے'' (کتاب التقدیر ص ۳۲۳) اور یہی نہیں اس کے علاوہ بھی اور بہت سی اصطلاحات ہیں جن کے معنی حسب موقع پرویز صاحب قانون کرتے ہیں حتی کے بعض مقامات پر رب کے معنی اور اللہ کے معنی بھی قانون کے ہیں اس اعتبار سے مؤمن، مشرک، کافر اور منافق کی اصطلاحات کے معنی ومفہوم کو بھی پرویز صاحب نے یکسر بدل ڈالا چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جو شخص یہ مانتا ہے کہ فلاں کام کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے قانون اور قاعدہ ہے اسے مومن کہتے ہیں، جو کسی قاعدے قانون کو تسلیم ہی نہیں کرتا وہ کافر کہلاتا ہے، جو کسی مقررہ قاعدے اور قانون کے ساتھ اپنی طرف سے کچھ ملا دیتا ہے اسے مشرک کہتے ہیں، جو اس طرح کام کرے بظاہر نظر آئے کہ وہ قاعدہ کی پابندی کر رہا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہ کرے اسے منافق کہتے ہیں'' (تبویب القرآن ص ۵۹۹)

کسی نے صحیح کہا ہے کہ بلی کو خواب میں بھی چھیچھڑے نظر آتے ہیں، اب قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ جب پرویز صاحب مسئلہ تقدیر سے تعلق رکھنے والی دینی اصطلاحات کو توڑ مروڑ کر حسب منشاء معنی نکال لیں گے تو بقول پرویز صاحب مسئلہ تقدیر کا ''قابل فہم وبصیرت'' حل تو یقیناً نکل ہی آئے گا۔

## تدبر اور قرآن فہمی کا پرویزی طریقہ:

پرویز صاحب نے جس تدبر وتفکر کی بدولت مفہوم القرآن مرتب کیا ہے اسے جاننا بھی دلچسپی سے خالی نہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

''فہم القرآن کے سلسلہ میں دو اصولی باتیں سمجھ لینا ضروری ہیں، سب سے پہلے یہ کہ قرآن کریم نے اپنے منجانب اللہ ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی پیش کیا ہے کہ'' یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے، اگر یہ خدا کے بجائے کسی اور کس طرف سے ہوتا تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یہ اس میں کثیر اختلاف پاتے'' یعنی ایسا کہیں نہیں ہوگا کہ ایک جگہ تو وہ یہ کہہ دے کہ جس کا جی چاہے سیدھی راہ اختیار کرلے اور جس کا جی چاہے گمراہ ہو جائے اور دوسری جگہ کہہ دے کہ تم اپنی مرضی سے کوئی راستہ اختیار نہیں کرسکتے ہم جسے چاہیں صحیح راستے پر لگا دیں اور جسے چاہیں گمراہ کردیں، دوسری بات یہ کہ اگر قرآن کریم میں ایسی آیات ملیں جن میں بادی النظر میں تضاد دکھائی دیتا ہو تو وہ انہیں سطحی نظر سے دیکھنا چاہیے اور نہ ہی آنکھیں بند کرکے ان سے آگے بڑھ جانا چاہیے، قرآن نے اس مقصد کے لئے تدبر کو شرط قرار دیا ہے ان آیات میں تدبر وتفکر سے ان کا حقیقی مفہوم سامنے آجاتا ہے اور تضاد باقی نہیں رہتا'' (کتاب التقدیر ص ۱۹۲)

یہاں پرویز صاحب نے سورۃ النساء کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے یہ اصول پیش فرمایا کہ قرآنی آیات میں باہم اختلاف نہیں ہے اور جہاں کہیں اختلاف ہے بھی تو وہ تدبر فی القرآن کے ذریعہ رفع کیا جا سکتا ہے اب قبل اسکے ہم دیکھیں کہ پرویز صاحب کا اپنے اس اصول پر کتنا عمل ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مفسرین کرام نے اس آیت کی کیا تفسیر کی ہے، تفسیر جلالین میں ہے کہ:

'' وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا تناقضا فی معانیه و تباینا فی نظمه '' (تفسیر جلالین سورۃ النساء)

یعنی ''اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم اسکے معنی میں نقض اور نظم میں اختلاف پاتے'' اور امام طبری، ابن زید کے حوالے لکھتے ہیں کہ:

«قال ابن زید: ان القرآن لا یکذب بعضه بعضا و لا ینقض بعضه بعضا»

(تفسیر الطبری سورۃ النساء)

یعنی'' قرآن کا بعض بعض کو جھٹلاتا نہیں ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کی نفی کرتا ہے'' اور تفسیر قرطبی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ، قتادہ اور ابن زید کے حوالے لکھا ہے کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



«« عن ابن عباس و قتادة وابن زيد: ولا يدخل فى هذا اختلاف الفاظ القرأت والفاظ الامثال والدلات ومقادير السور والايات، وانما اراد اختلاف التناقض والتفاوت، وقيل: المعنى لو كان ماتخبرون به من عند غير الله لا ختلف»» (تفسير القرطبى سورة النساء)

پس معلوم ہوا کہ اختلاف کا مطلب یہ ہے ایک جگہ کسی دوسری بات کا اثبات ہواور دوسری جگہ اسی بات کی نفی کرتا ہے اور قرآن میں ایسا بھی نہیں ہے یعنی اگر یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہوتا جیسا کہ کفار کا خیال تھا، تو اسکے بیان کردہ مضامین اور واقعات میں تعارض وتناقض ہوتا کیونکہ ایک تو یہ کوئی چھوٹی کتاب نہیں ہے، ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے جس کا ہر حصہ فصاحت و بلاغت میں ممتاز ہے حالانکہ انسان کی بنائی ہوئی بڑی تصنیف میں زبان کا معیار اور فصاحت اور بلاغت قائم نہیں رہتی، دوسرے اس میں پچھلی قوموں کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں جنہیں اللہ علام الغیب کے سوا کوئی بیان نہیں کرسکتا، تیسرے ان قصص وحکایات میں کوئی تضاد ہے اور نہ ہی ان کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا جز وقرآن کے کسی اصل سے ٹکراتا ہے، حالانکہ انسان گذشتہ واقعات بیان کرے تو تسلسل کی کڑیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور انکی تفصیلات میں تعارض و تضاد واقع ہوجاتا ہے، چنانچہ پرویز صاحب نے جن دو آیات کو اختلاف کے ضمن میں پیش کیا ہے کہ: ایک جگہ تو وہ یہ کہہ دے کہ تم میں جس کا جی چاہے سیدھی راہ اختیار کرلے اور جس کا جی چاہے گمراہ ہو جائے اور دوسری جگہ کہہ دے کہ تم اپنی مرضی سے کوئی راستہ اختیار نہیں کر سکتے ہم جسے چاہیں صحیح راستے پر لگا دیں اور جسے چاہیں گمراہ کردیں'' اس پر تعارض اور تضاد کا اطلاق صحیح نہیں کیونکہ ہم وضاحت کرچکے ہیں کہ گمراہی کی نسبت بالا طلاق اللہ تعالی کی طرف جائز نہیں اور اردو تراجم میں جو لفظ گمراہی استعمال ہوا ہے اسکی اصلاح چاہیے یعنی وہاں گمراہ کرنے سے مراد گمراہی کا حکم لگانا ہے یا ہدایت سے محروم کر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دینا ہے یہی دو معنی آیات کے صحیح ہیں باقی اللہ تعالیٰ کو گمراہ کرنے والا کہنا علی الاطلاق جائز نہیں ۔ نیز اگر قرآنی آیات کے معنی و مفہوم میں اختلاف نظر آئے تو غور و تدبر اور قرآنی آیات کے باہم تقابل سے اس اختلاف کو بآسانی رفع کیا جاسکتا ہے اسی لئے آیت کریمہ میں تضاد اور اختلاف تلاش کرنے کے چیلنج سے قبل تدبر فی القرآن کی شرط عائد کی گئی ہے یا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کی کوئی بھی دو آیات جن میں بظاہر کوئی تضاد محسوس ہوتا ہو ان کا حل بھی قرآن ہی میں مضمر ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ انسان تلاش کرے اس طرح اختلاف کو بآسانی رفع کیا جاسکتا ہے اور دونوں آیت میں باہم تطبیق یقینی طور پر کی جاسکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ تدبر فی القرآن صحیح نہج پر کیا جائے اس ضمن میں اولاً پرویز صاحب کا طریقہ ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں کہ:

''تدبر فی القرآن کے سلسلہ میں دو اہم نکات سامنے رکھنا ضروری ہے، ایک تو یہ کہ قرآن کی کسی ایک آیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس مضمون کی جتنی آیات قرآن میں جابجا بکھری پڑی ہوں ان سب کو سامنے رکھا جائے اس طرح قرآن کا صحیح مفہوم نکھر کر سامنے آجاتا ہے قرآن کریم کا دعوی یہ ہے کہ وہ تصریف آیات سے اپنا مفہوم واضح کرتا ہے یعنی آیات کو پھیر پھیر کر لانے سے، قرآن فہمی کے لیے یہ شرط لاینفک ہے، اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کا مفہوم نہیں سمجھا جاسکتا جو اس کی مجموعی تعلیم کے خلاف ہو مثلاً قرآن کی مجموعی تعلیم یہ ہے کہ خدا وحدہ لاشریک ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو الخالق کہا گیا ہے اور دوسری جگہ اسے احسن الخالقین کہا گیا ہے تخلیق کرنے والوں میں سب سے زیادہ حسین اور متوازن تخلیق کرنے والا، اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن خدا کے لاوہ اور بھی خالق تسلیم کرتا ہے جبھی تو اسے خالقین میں احسن قرار دیا ہے اس سے نظر بظاہر شرک کا پہلو متبادر ہوتا ہے'' (کتاب التقدیر ص ۱۹۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پرویز صاحب کے مطابق ''آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس مضمون کی جتنی آیات قرآن میں جا بجا بکھری پڑی ہوں ان سب کو سامنے رکھا جائے'' لیکن اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیات کو سامنے کس بنیاد پر رکھا جائے اگر ایک مضمون دس آیات میں آ رہا ہے اور دوسرا مضمون گیارہ آیات میں آ رہا ہے تو کیا دس آیات میں آنے والے مضمون کو رد کر کے گیارہ آیات والے مضمون کو اختیار کیا جائیگا ؟ ظاہر ہے تدبر فی القرآن کا مطلب یہ ہے کہ ایک مضمون والی تمام آیات کو جمع کر کے ان کے شان نزول، زمانہ نزول، آیات کے مخاطبین اور ناسخ و منسوخ کو معلوم کیا جائے گا اسکے بعد باہم متعارض مضامین والی آیات میں تطبیق کی جائے گی اسی کو تدبر فی القرآن کہتے ہیں۔لیکن پرویز صاحب ان میں سے اکثر عوامل کو مطلق قابل اعتناء نہیں گردانتے کیونکہ ان تمام کا انحصار احادیث پر ہے جن سے پرویز صاحب کو الرجی ہے۔اس لئے پرویز صاحب نے تدبر فی القرآن کے ضمن میں دوسرا نکتہ یہ بیان کیا کہ ''قرآن کریم کی کسی آیت کا کوئی ایسا مفہوم صحیح نہیں سمجھا جا سکتا ہو اس کی مجموعی تعلیم کے خلاف ہو'' اور اس ضمن میں پرویز صاحب نے جو ''احسن الخالقین'' والی مثال پیش کیا ہے وہ بھی غلط ہے بلکہ ایک دوسرے مقام پر خود پرویز صاحب نے ہی اسکا رد کیا ہے اور جس سے بقول پرویز صاحب ''شرک متبادر ہوتا ہے'' اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> جہاں تک اشیائے کائنات کو پہلی بار بغیر کسی مسالہ کے بنانے کا تعلق ہے وہ خدا کے عالم امر سے متعلق ہے اور اس میں خدا کا کوئی شریک نہیں لیکن اس طرح پیدا شدہ اشیاء کے باہمی امتزاج سے نئی نئی چیزوں کی تخلیق انسان بھی کر سکتا ہے اور کرتا ہے اسی لئے قرآن میں خدا نے اسے احسن الخالقین کہا ہے'' (کتاب التقدیر ص ۳۶)

پس توحید اللہ تبارک وتعالی کو صرف ربوبیت اور الوہیت میں مطلق اور دیگر صفات میں بعض اضافی شرائط کے ساتھ تسلیم کرنے کا نام ہے کیونکہ اللہ تعالی کی بیشتر صفات انسانوں میں پائی جاتی ہیں مثلا اللہ تعالی السمیع اور انسان بھی سمیع ہے، اللہ تعالی البصیر ہے انسان بھی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بصیر ہے اسی طرح اللہ تعالی الخالق ہے اور انسان بھی کچھ چیزیں تخلیق کرتا ہے لیکن ان تمام صفات کے استعمال میں انسان پر کچھ حدود و قیود ہیں جبکہ اللہ تعالی کے لئے یہ تمام صفات مطلق ہیں۔ اس لئے جب یہ صفات اللہ تعالی کے لئے استعمال ہوتی ہوں تو یہ صفات دائمی اور قدیمی ہوں گی لیکن جب انسان کی طرف منسوب ہوں گی تو انسان کے مقام اور شان کے مطابق ہوں گی یعنی ایک حادث مخلوق کے اعتبار انسان پر ان صفات کا اطلاق ہوگا البتہ توحید کے منافی پرویز صاحب کا خود ساختہ نظام ربوبیت کا نظریہ ضرور ہے جس کے تحت پرویز صاحب انسانوں میں صفت ربوبیت پیدا کرنے والی بات کرتے ہیں نیز پرویز صاحب نے جو لکھا ہے کہ'' قرآن کریم کی کسی آیت کا کوئی ایسا مفہوم صحیح نہیں سمجھا جا سکتا جو اس کی مجموعی تعلیم کے خلاف ہو'' تو وہ کس قرآن کی بات کرتے ہیں کیا اس مفہوم القرآن کی جس میں کسی نبی کے معجزہ کو تسلیم نہیں کیا گیا اور انبیاء کرام میں سے کم از کم ایک نبی آدم علیہ السلام کو تسلیم کرنے سے صریحاً انکار کیا گیا اور فرشتوں کے وجود کا انکار کیا گیا، ابلیس کا انکار کیا گیا، اور دوزخ اور آخرت کو اسی دنیا میں کھینچ لایا گیا اور شعائر اسلام مثلاً نماز، زکوۃ، حج اور قربانی کے عمل کو وقت اور پیسے کا زیاں قرار دیا گیا اب اگر ایسے آدمی کو تقدیر کا مسئلہ بھی قرآن کی مجموعی تعلیم کے خلاف نظر آتا ہو تو اس میں ہمارے نزدیک عجیب بات کوئی نہیں ہے۔

## تقدیر کا معنی از پرویز صاحب:

پرویز صاحب لغات القرآن میں لکھتے ہیں کہ:

''اور'' جاء علی قدر'' کے معنی ہیں وہ بالکل اندازے کے مطابق آیا اور'' قدر۔ ق کے زیر کے ساتھ'' ہانڈی یا دیگ کو کہتے ہیں اسکی جمع قدور ہے اور'' قدیر'' اس گوشت کو کہتے ہیں جو مناسب مسالوں کے ساتھ ہانڈی میں پکایا جائے۔ ان مثالوں سے واضح ہے کہ قدر اور تقدیر کے معنی ہیں اندازہ اور پیمانہ یا کسی چیز کو اندازے اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پیمانے کے مطابق بنا دینا نیز کسی چیز کے تناسب اور توازن کا ٹھیک ٹھیک قائم رکھنا متوازن اور معتدل رہنا، ان بنیادی معنوں کو پیش نظر رکھنے سے قرآن کریم کے متعدد مقامات آسانی سے سمجھ میں آ جائیں گے، چونکہ کسی چیز کو کسی خاص پیمانے اور اندازے کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز پر پوری پوری مقدرت حاصل ہو اس لئے قدر کے معنی کسی چیز پر اقتدار اختیار رکھنے کے بھی ہیں"

(لغات القرآن ص ۱۳۳۳ ج ۳)

پرویز صاحب نے جو قدر اور تقدیر کا معنی کیا ہے اس اعتبار سے تقدیر پر ایمان لانا ہو مسلمان کے لئے واجب اور ضروری ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا ایک لازمی جزو اور حصہ ہوا یعنی تقدیر پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لانا ہوا اور تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو مکمل طور پر ناپ تول کر اور صحیح اندازے کے مطابق پیدا کیا ہے۔ چنانچہ لازمی طور پر وہ کائنات کی ہر صفت یعنی لمبائی، چوڑائی، ضخافت، جسامت، کمیت اور مقدار وغیرہ کو بخوبی جانتا ہے اور اس کائنات کی ابتداء اور انتہا کے بارے میں بھی مکمل علم ہے یعنی کائنات کے خالق ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کائنات کے ہر جزو اور ہر حصہ سے مکمل باخبر ہے اور اس بات سے بھی باخبر ہے کائنات کا کونسا پرزہ کس کام کے لئے بنایا ہے اور اس پرزہ کے کام کی مدت یا عمر کتنی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ علام الغیوب بھی ہوا یعنی کائنات کے پیدا کرنے سے قبل ہی ازل سے کائنات کے کوائف اور حالات سے کلی طور پر باخبر تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾

(سورۃ الحدید آیت ۲۲،۲۳)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''کوئی مصیبت دنیا میں آتی اور نہ تمہاری اپنی جانوں پر مگر اس سے قبل کہ ہم اسے ظاہر کریں وہ کھلی کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور اللہ کے لئے بہت آسان ہے (یہ اس لئے تمہیں بتایا جا رہا ہے) تاکہ جو کوئی چیز تم سے چھوٹ جائے اس پر افسوس نہ کرو اور جو چیز تم کو حاصل ہو جائے اس پر فخر نہ کرو''

اس آیت کریمہ میں لفظ ﴿ان نبرا ھا﴾ آیا ہے جس کے معنی ہیں ''قبل اسکے کہ ہم اسکو ظاہر کریں'' یعنی کوئی بھی مصیبت نازل ہونے، ظاہر ہونے اور اترنے سے قبل ہی کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور نہ کسی چیز کے حاصل ہونے پر خوشی میں آپے سے باہر ہو جاؤ اور سمجھنے لگو کہ وہ تمھاری محنت کا پھل ہے اور نہ کسی چیز کے کھو جانے پر افسوس کرو کیونکہ وہ تمہارے نصیب میں نہیں تھی بلکہ یہ یقین رکھو کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

## کیا انسان اللہ تعالیٰ کی مشیت سے خارج ہے؟:

پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ:

''تقدیر کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے عنوان (ش،ی،ا) میں مشیت کے معنی میں دیکھئے، وہاں لکھا ہے کہ گوشہ اول وہ ہے جہاں امر الٰہی کے مطابق ہر شیئے وجود میں آتی ہے اور اس کے لئے قواعد وضوابط، قوانین اور خواص متعین ہوتے ہیں یہی قواعد وضوابط اور خواص ان اشیاء کے پیمانے ہیں ان ہی کو ان کی تقدیریں کہا جاتا ہے آگ کی تقدیر یہ ہے کہ وہ حرارت پہنچاتی ہے، پانی کی تقدیر یہ ہے کہ وہ سیال ہے اور نشیب کی طرف بہتا ہے اور خاص درجہ حرارت تک پہنچ کر بھاپ بن جاتا ہے اور اسے ٹھنڈ پہنچائی جائے تو پتھر کی طرح سخت ہو کر برف بن جاتا ہے سورۃ فرقان میں ہے کہ:

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ﴾ (سورۃ الفرقان: ۲)

یعنی ''اللہ نے ہر شیء کو پیدا کیا پھر ان کیلئے پیمانے اور اندازے مقرر کر دیئے'' راغب

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ اشیاء کے متعلق تقدیر الٰہی (یعنی پیمانوں کی) دو شکلیں ہیں ایک تو یہ کہ شئ کو کامل طور پر یک بارگی بنا دے اور اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہ ہوتا وقتیکہ خدا اسے فنا کرنا یا بدلنا چاہے جیسے کہ سماوات اور دوسری یہ کہ کسی شئ میں کچھ بننے کی صلاحیت رکھ دی جائے اور رفتہ رفتہ اپنی انتہائی شکل کو پہنچ جائے اور وہ اسکے سوا کچھ اور نہیں بن سکتی جیسے کہ بیج میں درخت بننے کی صلاحیت ہی اس کی تقدیر ہے'' (لغات القرآن ص۱۳۳۴، ۱۳۳۵ ج ۳)

پرویز صاحب نے یہاں اشیاء کی دو قسمیں بیان کی ہیں ہم بھی ان سے اتفاق کرتے ہیں البتہ ہم اس اصول کا اطلاق صرف اشیاء پر نہیں بلکہ انسانوں و جنات پر بھی کریں گے کیونکہ انسان و جنات اللہ تعالیٰ کی مشیت سے خارج نہیں ہیں اس طرح ان دو قسموں میں سے پہلی قسم سے وہ کفار تعلق رکھتے ہیں جو صرف کفر کے لئے پیدا کئے گئے وہ اول سے ہی اپنے اصل پر رہتے ہیں یعنی عقیدہ کفر پر اور تا دم مرگ اس عقیدے و عمل سے نہیں ہٹتے ۔ اسی طرح اس قسم سے وہ مسلمان بھی ہیں جو اپنی پیدائش سے لیکر تا دم مرگ مسلمان رہتے ہیں جبکہ مذکورہ تقدیر کی دوسری قسم سے وہ لوگ تعلق رکھتے ہیں جو اپنی عمر اول مسلمان رہتے ہیں اور آخر میں موت سے قبل کفر کو اختیار کر لیتے ہیں یا وہ غیر مسلم ہیں جو اپنی ابتداء میں کافر ہوتے ہیں مگر موت سے قبل مسلمان ہو جاتے ہیں اس طرح اپنی اصل فطرت پر لوٹ جاتے ہیں اسی چیز کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا کہ:

﴿وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ (سورة البقرة: ٣٤)

یعنی ''وہ (ابلیس) کافروں میں سے تھا''

یعنی ابلیس اللہ تعالیٰ کے علم میں تقدیر کے اعتبار سے آدم کو سجدہ سے کرنے سے قبل بھی کافروں میں سے تھا اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ محمد بن حسن ابوبکر بن فورک نے کہا کہ یہاں لفظ'' کان'' اپنے اصلی معنی یعنی ماضی کے معنی میں آیا ہے اور جن لوگوں نے کہا کہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کان ''صار'' کے معنی میں ہے انکی بات غلط ہے جو لوگ اس آیت میں کان کو صار کے معنی میں لیتے ہیں وہ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ ''وہ (ابلیس) کافروں میں سے ہو گیا'' یعنی اس واقعہ سے قبل وہ کافروں میں سے نہیں تھا اور مشہور مفسر قرآن محمد بن احمد الانصاری القرطبی المتوفی ۶۷۱ھ ہجری نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ یہاں ''کان'' اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہی کافر تھا اسی مفہوم کی تائید ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے ارشاد فرمایا کہ:

﴿لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ (سورۃ الاعراف آیت ۱۱)

یعنی ''ہمارے علم میں وہ اس سجدہ کا نہ کرنے والا پہلے سے ہی تھا''

اس لئے اس نے آدم کو سجدہ نہیں کیا اور چونکہ سجدہ کے فعل کا سبب اللہ تعالیٰ تھا اس لئے اغوینتی کے ظاہر لفظ کی نسبت اسکی طرف کر دی گئی ورنہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو کوئی ایسا حکم نہیں دیا تھا جو ابلیس کے لئے گمراہی کا فعل ہو۔

## ہدایت اور ضلالت فطرت اور تقدیر پر منحصر ہے:

اسی چیز کا اللہ تعالیٰ نے ایک دوسیر آیت میں بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہوا کہ:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ الروم آیت ۳۰)

امام اسحاق بن راھویہ رحمہ اللہ المتوفی ۲۳۸ھ ہجری نے کہا ہے کہ اس آیت میں لفظ ''حنیفا'' پر وقف کرنا چاہیے اور آگے آنے والے لفظ ﴿فطرت اللّٰہ﴾ سے علیحدہ کر کے پڑھنا چاہیے اس صورت میں آیت کا یہ معنی ہوگا کہ ''دین حنیف کیلئے اپنے چہرے کو سیدھا کر لے، پیدا کیا اللہ نے لوگوں کو پیدا کرنا فطرت پر ایسی فطرت جس کی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں'' یہاں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فطرت سے مراد وہ حالت ہے جس پر وہ پیدا کیا جاتا ہے یعنی اس کا نیک بخت اور بد بخت ہونا پھر اس حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی یعنی اگر ایک انسان بد بخت اور کافر پیدا کیا گیا ہو اور وہ بظاہر مسلمان نظر آتا ہو تو لازمی طور پر موت سے قبل اپنی فطرت کی طرف لوٹ جائے گا اور کافر ہو کر ہی مرے گا جیسا کہ ابلیس شیطان کے بارے میں تذکرہ ملتا ہے اسی مضمون کی وضاحت ایک دوسری آیت میں اسی انداز سے کی گئی ہے کہ:

﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ○فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾

(سورۃ الاعراف آیت ۲۹،۳۰)

یعنی ''جس حالت پر اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے تم اس حالت کی طرف لوٹ جاؤ گے، ایک فریق ہدایت کی طرف اور دوسرا فریق جس پر ضلالت چسپاں ہو چکی ہے''

یعنی جو لوگ نیک بخت پیدا کئے گئے ہیں وہ موت سے قبل ہدایت کی طرف آ جائیں گے اگرچہ زندگی بھر بد بخت اور کافر ہی کیوں نہ رہے ہوں اور اگر بد بخت پیدا کئے گئے ہیں تو موت سے قبل اس تقدیر کی طرف لوٹ جائیں گے اگرچہ زندگی بھر مسلمان رہے ہوں اور نیکی کے کام بھی کیوں نہ کرتے رہے ہوں محمد بن کعب قرطبی نے اس کی یہی تفسیر کی ہے اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اس آیت کی قرأت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس طرح ہے کہ:

﴿كما بدأكم تعودون فريقين ○ فريقا هدى وفريقا حق عليم الضلالة﴾ (تفسیر قرطبی ص ۱۸۸ ج ۷)

یعنی ''تم دو گروہوں میں بٹ جاؤ گے ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دی ہے اور وہ ہدایت پر رہے گا اور دوسرے گروہ پر گمراہی ثبت کر دی گئی ہے وہ گمراہی پر ہی مرے گا''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی نسبت اپنی طرف کی ہے یعنی ہدایت یافتہ جماعت کو ہدایت از خود حاصل نہیں ہوگی بلکہ وہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہوگی اسی لئے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے نمازی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ ﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ ''یا اللہ ہم کو سیدھی راہ دکھا کر اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما'' اسی چیز کو سورۃ الاعراف آیت نمبر ۴۳ میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا﴾

یعنی جنتی لوگ کہیں گے کہ ''اللہ ہی کی تعریف ہے جس نے ہم کو ہدایت عطا فرمائی اور اگر اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پا سکتے تھے'' اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ رعد آیت ۳۱ میں فرمایا کہ:

﴿اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا﴾

یعنی ''کیا ایمان والوں کو اس بات پر دل جمعی نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا'' اس آیت کے ضمن میں پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ:

''یہاں ﴿أفلم ییئس الذین آمنوا﴾ دراصل ''أفلم یعلم'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی کیا انہوں نے جان نہیں لیا'' (لغات القرآن ص ۱۷۸۲ ج ۴)

پرویز صاحب نے یہاں پوری آیت کا ترجمہ نہیں کیا کیونکہ یہ انکے عقیدہ کے لیے تباہ کن ہوتا البتہ اس آیت کا تحریف شدہ ترجمہ جو مفہوم القرآن میں لکھا ہے وہ اس طرح ہے کہ:

''کیا تمہاری جماعت کے لوگ اب بھی اس بات کو نہیں سمجھے کہ اگر لوگوں کو زبردستی مؤمن بنانا مقصود ہوتا تو خدا کیلئے یہ کچھ مشکل نہ ہوتا'' (مفہوم القرآن ص ۵۶۰)

یہاں اس آیت میں کوئی بھی لفظ ایسا نہیں جس کا ترجمہ ''زبردستی'' کیا جا سکے لیکن مفہوم بیان کرنے کی آڑ لے کر پرویز صاحب اس قسم کی تحریفات بغیر کسی ہچکچاہٹ اکثر آیات میں سینہ زوری کے ساتھ کرتے جاتے ہیں لیکن اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر بیان کیا ہے مثلاً سورۃ نحل آیت ۹ میں ارشاد فرمایا کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



﴿ وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾

یعنی ''ٹھیک، سیدھی اور مستقیم راہ کو واضح کرنا اللہ ہی کے ذمہ ہے اور ان راہوں میں سے ٹیڑھی راہ بھی ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت عطا کر دیتا'' اسی طرح سورۃ انعام آیت ۱۴۹ میں ارشاد ہوا کہ:

﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

یعنی'' کہہ دیجئے اللہ ہی کے لئے قوی حجت ہے پس اگر چاہتا تو تم سب کو ہدایت یافتہ کر دیتا'' اور سورۃ اعراف آیت ۱۷۸ میں ارشاد فرمایا گیا کہ:

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾

یعنی'' جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت پا سکتا ہے اور جنہیں اللہ ہدایت سے محروم کر دے تو وہی نقصان والے ہیں'' یعنی ہدایت اور گمراہی کا دارومدار تقدیر پر ہے۔

## کیا تقدیر پر ایمان قومی ترقی کس راہ میں رکاوٹ ہے؟:

پرویز صاحب تقدیر کا انکار کرتے ہوئے عقلی دلیل نقل فرماتے ہیں کہ:

'' جو سوالات بلکہ یوں کہیے اعتراضات بیشتر نوجوان طبقہ کی جانب سے موصول ہوئے ان کا ملخص یہ تھا کہ جو مذہب ہمیں یہ سکھاتا ہو کہ انسان کی قسمت میں جو لکھا ہے وہ نہ مٹ سکتا ہے اور نہ اسکے خلاف کچھ ہو سکتا ہے اس مذہب کو لیکر ہم مصارف زندگی میں دوسری قوموں کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں؟'' (کتاب التقدیر ص ۲۳)

پرویز صاحب نے یہاں یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مسلمانوں کا جو تقدیر پر ایمان ہے اس کے اعتبار سے دوسری قوموں کا ترقی وتمدن وحضارت میں مقابلہ مسلمان نہیں کر سکتے کیونکہ مسلمانوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ جو تمہارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا اس لئے عمل ومحنت کی کوئی ضرورت نہیں ہے پرویز صاحب چونکہ منکرین حدیث میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



شمار ہوتے ہیں اس لئے انھوں نے یہاں جس مذہب کا انکار کیا ہے وہ درحقیقت احادیث نبویہ پر ایمان رکھنے والوں کا مذہب ہے۔ یہاں پرویز صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ احادیث نبویہ میں عمل ومحنت کو بیکار اور بے فائدہ بتایا گیا ہے یعنی ان کی موٹی عقل کے مطابق جب احادیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی قسمت میں جو لکھا جا چکا ہے وہ نہ مٹ سکتا ہے نہ بدل سکتا ہے تو پھر عمل ومحنت کا کوئی فائدہ نہیں ہے حالانکہ پرویز صاحب کا احادیث پر ایمان رکھنے والوں کی طرف یہ نسبت غلط ہے کیونکہ احادیث میں تقدیر پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ عمل اور محنت کا بھی حکم دیا گیا ہے یعنی ہر شخص کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی تقدیر کو ڈھونڈے اور اپنی قسمت ومقدر کو تلاش کرے اور محض تقدیر پر بھروسہ کر کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیکار نہ بیٹھا رہے اس بات کے ثبوت میں صحیح بخاری ومسلم کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

«عن علی ﷺ قال قال رسول الله ﷺ ما منكم من احد الا وقد كتب مقعده من النار ومقعده من الجنة ، قالوا يا رسول الله ﷺ افلا نتكل على كتابنا وندع العمل قال اعملوا فكل ميسر لما خلق له اما من كان أهل الشقاوة فيسصير لعمل السعادة واما من كان من أهل لشقاوة فيسصير لعمل الشقاوة ثم قرأ ، من أعطى واتقى وصدق بالحسنىٰ » (صحيح بخاري: ١٣٦٢، صحيح مسلم: ٦٧٣١، ترمذي: ٢١٣٦، ابن ماجه: ٧٨)

یعنی ''علی ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم سے ہر شخص کی جگہ جنت یا جہنم میں لکھی ہوئی ہے، صحابہ کرام نے فرمایا کہ پھر ہم اپنی تقدیر کے لکھے پر بھروسہ نہ کریں اور عمل چھوڑ دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمل کرو ہر ایک کیلئے وہی راہ آسان ہوگی جس کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو شخص نیک بخت ہے اس کیلئے نیکی آسان ہوگی اور جو بد بخت ہے اس کیلئے برے عمل آسان ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ نے سورۃ اللیل کی یہ آیت تلاوت فرمائی کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پرہیزگار ہوا اور نیک بات کی تصدیق کرتا رہا تو ہم اسکو آسان راستے کی سہولت دیتے رہیں گے لیکن جس نے بخیلی کی اور بے پرواہی برتی اور نیک بات کی تکذیب کی تو ہم بھی اسکی تنگی اور مشکل کا سامان میسر کردیں گے یعنی اس کے لئے شر کا راستہ آسان کردیا جائے گا''

اس حدیث میں تقدیر پر ایمان لانے کے ساتھ نیک عمل کرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہر انسان کو اسی راستے پر چلنے کی توفیق ملے گی جو اس کا مقدر ہوگا اور پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ مذہب یعنی تقدیر پر ایمان عمل سے روک دیتا ہے غلط ہے کہ جب کسی انسان کو معلوم ہی نہیں کہ اسکی تقدیر میں کیا ہے تو وہ کیسے یہ یقین کرکے بیٹھ جائے گا کہ میرا مقدر خراب ہے خواہ میں عمل کروں یا نہ کروں میرا مقدر تبدیل نہیں ہوسکتا۔ اور جب قرآن کی آیات اور احادیث نبوی یہ بتاتی ہیں کہ بعض لوگوں کا مقدر خراب لکھا گیا ہے اور بعض لوگوں کا مقدر اچھا تو کسی انسان کو یہ کس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ چونکہ اس کا مقدر خراب ہے اس لئے اس کو عمل کی ضرورت نہیں بلکہ تقدیر پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان اپنی کسی بھی کوشش وسعی کے رائیگاں ہوجانے کا غم نہیں کرتا اور کف افسوس ملتے رہنے میں وقت برباد نہیں کرتا بلکہ اس نقصان کو اپنی تقدیر کا لکھا سمجھ کر صبر کرتا ہے اور جو تقدیر کا لکھا اسے مل جاتا ہے اسی پر قناعت کرتا ہے۔ اور جب انسان یہ بھی سنتا اور پڑھتا ہے کہ ہر انسان کو اسکے مقدر کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد اور توفیق عطا ہوتی ہے اور عمل شروع کرنے سے اسکے مقدر کی راہ آسان ہوجاتی ہے تو وہ مزید شوق اور لگن کے ساتھ اپنے عمل کو شروع کرتا ہے یعنی تقدیر پر ایمان انسان کو عمل سے روکتا نہیں بلکہ اس کے اندر مزید شوق اور ولولہ پیدا کرتا ہے۔

مسئلہ تقدیر پر ایمان اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل:

جب صحابہ کرام نے تقدیر کی آیات واحادیث سنیں تو ان کے اندر عمل کا نیا ولولہ اور نیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جذبہ پیدا ہوگیا اس بارے میں یہ حدیث ملاحظہ ہو:

«عن ابن عباس ﷺ قال رجل یارسول الله ﷺ أنعمل فیما جرت به المقادیر وجف به القلم أو شیئ نأتنفه قال بل بما جرت به المقادیر وجف به القلم قال فغیم العمل قال أعمل فکل میسر لما خلق له» (رواه الطبرانی والبراز) «بنحوه الا انه قال فی آخره، فقال القوم بعضهم لبعض فالجد اذاً»(مجمع الزواید ص ٤٠٠ ج٧)

یعنی ''ابن عباس فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ہم تقدیر کے موافق عمل کرتے ہیں یا بغیر لکھے عمل کو سرانجام دیتے ہیں اور اسکی اپنی طرف سے ابتدا کرتے ہیں کیا اللہ کے یہاں پہلے سے اس عمل کا ذکر یا ریکارڈ نہیں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کے لکھے اور پہلے سے ریکارڈ پر موجود عمل کرتے ہو یہ طبرانی کی روایت ہے اور اسکو بزار نے بھی روایت کیا ہے اسکے آخر میں ہے کہ صحابہ کرام نے یہ سن کر ایک دوسرے سے کہا کہ اگر ایسا ہے تو پھر ہمیں اعمال کو مزید کوشش کر کے کرنا چاہیے'' اور اسی مضمون کی ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ:

« عن سراقة بن مالك بن جعشم. ﷺ انه قال یارسول الله ﷺ انعمل شیئا قد فرغ منه ام نستانف العمل قال بل العمل قد فرغ منه فقال یا رسول الله ﷺ فغیم العمل ـ فقال النبی ﷺ کل میسر له عمله قال یا رسول الله ﷺ الآن الجد الآن الجد»

( رواه طبرانی ، مجمع الزواید ص ٤٠١ )

یعنی ''سراقہ بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم جو عمل کرتے ہیں ان اعمال کو ہمارے کرنے سے پہلے اللہ تعالی نے اپنے پاس لکھ کر ان سے فراغت حاصل کر لی ہے یا ہم ان اعمال کو اپنی طرف سے ابتدا کرتے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ لکھا ہے ان کو ہمارے کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ان اعمال کو کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس لکھ کر ان سے فراغت حاصل کر لی ہے، سراقہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ پھر ہمیں ان اعمال کے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا ہر شخص کے لئے اس کے عمل کو آسان کر دیا گیا ہے، سراقہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ پھر تو ہم ہر عمل کو سخت محنت اور لگن سے کیا کریں گے، اور سراقہ نے یہ بات دو بار کہی'' اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا اور حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد میں کہا کہ اسکے تمام راوی صحیح کے راوی ہیں۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح وتفسیر میں کہا ہے کہ اس واقعہ سے صحابہ کرام کی فقاہت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لوگ دین اسلام کے امور کی کتنی سمجھ رکھتے تھے، جب ان صحابہ کرام کو تقدیر کی احادیث سے معلوم ہوا کہ مقاصد کے حصول کو اللہ تعالیٰ نے اسباب سے جوڑ رکھا ہے اور ہر مقصد جس سبب سے تعلق رکھتا ہے اس مقصد کا حصول اس سبب کے حصول اور وجود پر موقوف ہوتا ہے پس انسان اپنے اس مقصد کے حصول کیلئے اس سبب کو ڈھونڈ کر حاصل کرے گا اور اس سبب کیلئے دن رات انتھک محنت کرے گا تا کہ اسکے وجود وحصول سے اس کا مقصد حاصل ہو۔

## مسئلہ تقدیر پر ایمان اور عمل کا باہمی تعلق:

تقدیر پر ایمان لانے کا ہرگز مقصد یہ نہیں کہ آدمی عمل سے بے نیاز ہو جائے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور جو شخص ایسا کرے تو ہم ایسے شخص کو مسئلہ تقدیر کا قائل نہیں بلکہ احمق اور ناسمجھ کہیں گے جبکہ مسئلہ تقدیر کا قائل اسے کہا جائے گا جو اپنی پوری محنت اور کوشش کے بعد اپنی محنت کے پھل کے حصول کو یقینی نہ سمجھے بلکہ اسے اپنی تقدیر کے حوالے کر دے۔ جس طرح کسی انسان کے بڑے عالم بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے اور جو انسان

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جتنی محنت اور لگن سے تعلیم حاصل کرے گا اس قدر وہ بڑا عالم بن کر نکلے گا جبکہ وہ شخص جو محنت اور لگن سے تعلیم حاصل نہیں کرے گا وہ میدان میں پیچھے رہ جائے گا۔ اسی طرح ایک انسان جب چاہے گا کہ اس کی اولاد ہو تو وہ اسکے سبب کے حصول کی کوشش کرے گا کیونکہ اسکو معلوم ہے کہ اسکے بغیر اسکے مقصد کا حصول ناممکن ہے اس کے لئے نکاح کرے گا اور ازدواجی امور سرانجام دے گا لیکن کیا اسکے بعد وہ تقدیر سے بے نیاز ہو جائے گا اور اسے اولاد حاصل ہونے کی گارنٹی مل جائے گی؟ نہیں! بلکہ اسکے بعد اسے تقدیر پر بھروسہ کرنا پڑے گا اگر اسکی تقدیر میں اولاد کا وجود ہے تو یقیناً اسے اولاد حاصل ہو گی لیکن اگر اسکی تقدیر میں اولاد نہیں تو شادی کے باوجود بھی اسے اولاد حاصل نہیں ہو گی۔ اسی طرح جو انسان زمین سے غلہ حاصل کرنا چاہے گا وہ اس غلے کے حصول کیلئے اسباب کی طرف توجہ دے گا مثلاً زمین میں ہل چلائے گا، بیج ڈالے گا اور کھیتی کو پانی پلائے گا لیکن اس کے باوجود اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ اسے یقینی طور پر پھل حاصل ہو جائے گا بلکہ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کی خاطر اسکی ساری محنت اکارت کر دے اس لئے محض سمجھنا کہ اسباب ہی سب کچھ ہیں اور اسکے باہر کچھ نہیں اور جو کوئی بھی ان اسباب کو اختیار کرے گا وہ اپنے مقصد کو یقینی طور پر حاصل کر لے گا تقدیر کا انکار ہے۔ گویا تقدیر پر ایمان کا مقصد اور اس کا لب لباب یہ ہے کہ دنیا کے مقاصد وحاجات وضرویات کا حصول ان اسباب کے حصول پر موقوف ہے جن اسباب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان مقاصد کا حصول جوڑ رکھا ہے اور یہ اسباب بھی قضاء وقدر میں لکھے ہوئے ہیں مثلاً دنیا میں آپ کو ایسے بہت سے لوگ مل جائیں گے جو تجرد کی زندگی گزارنا چاہتے تھے اور بیوی بچوں کے جھنجٹ سے آزاد رہنا چاہتے تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تقدیر میں اولاد لکھی تھی اس لئے کسی نہ کسی مجبوری کے سبب انھیں شادی کے بندھن میں بندھنا ہی پڑا۔ یعنی مقاصد کا حصول اسباب واعمال سے متعلق ہے اور اسباب واعمال انسان کو اسی سمت لے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



جاتے ہیں جہاں اس کی تقدیر ہے اور جس طرح مقاصد دنیاوی اسباب سے متعلق ہیں جن کی تکمیل کے بغیر دنیاوی مقاصد کا حصول ناممکن ہے اسی طرح اخروی مقاصد بھی اسباب سے متعلق ہیں اور وہ اسباب اعمال صالحہ ہیں یعنی اخروی مقاصد اور دخول جنت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی پر منحصر ہیں اور اعمال صالحہ کے بغیر ان چیزوں میں سے کسی کے حصول کی امید رکھنا اسی طرح ہے جیسے بغیر شادی کے بچے کی امید لگا بیٹھنا۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابہ کرام کے شاگردوں میں سے ابوعثمان النہدی رحمہ اللہ نے تقدیر کی احادیث سنیں تو کہا کہ مجھے اس امر کے اول پر آخر کی نسبت زیادہ خوشی ہے یعنی جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہمارے اوپر ان اعمال کو لکھا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان اعمال کو کرنے میں اس کی مدد شامل حال رہے گی تو مجھے اس بات پر جو خوشی ہوئی وہ اس خوشی سے کہیں زیادہ ہے جو اعمال صالحہ کے کرنے پر مجھے ہوئی کیونکہ مجھے اس سے یہ یقین ہوگیا کہ یہ عمل میں نے اپنے زور بازو اور ذاتی قوت واختیار سے نہیں کیا بلکہ یہ عمل میرے لئے اس سبب آسان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے لئے مقدر کر رکھا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ تقدیر پر ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید اور انسان پر بے بہا نعمتوں پر یقین کا باعث ہے مثلاً ایک انسان ایک کام اپنے بل بوتے پر کرتا ہے اور ایک کام کسی اور کی توفیق ومدد سے کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ انسان اپنے بل بوتے پر کئے ہوئے کام پر کسی کا شکریہ ادا نہیں کرے گا اور جو کام اسکا کسی اور کی مدد سے سرانجام پایا ہو وہ انسان اس کام کی تکمیل کا سہرا اپنے سر نہیں بلکہ اس انسان کے سر باندھے گا جس کی مدد وحمایت سے وہ کام مکمل ہوا۔ قرآن کریم نے تقدیر کے مسئلہ کو واضح کرنے کیلئے متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں مثلاً قارون کا قصہ بیان کیا کہ جب اس سے کہا گیا کہ اپنی اس بے شمار دولت میں سے اللہ کی راہ میں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرے تو اس نے یہی جواب دیا کہ ﴿اوتیته علی علم عندی﴾ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس کا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مطلب یہ نہیں کہ ''یہ میرے علم اور محنت کا کمایا ہوا ہے اور اللہ کا دیا ہوا نہیں'' بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے یہ مال مجھے یہ سمجھ کر دیا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے اوپر راضی اور مجھ سے خوش ہے یعنی اللہ کے علم میں اگر میں اللہ کا محبوب بندہ نہ ہوتا تو مجھے یہ مال کبھی نہ دیتا جس طرح اس نے بعض لوگوں کو اس لئے غریب رکھا ہے کہ اللہ ان سے ناراض ہے گویا قارون نے غربت اور تونگری کو اللہ کی رضا کا معیار قرار دیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اسکو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے بہت لوگوں کو ہلاک کر ڈالا جو قوت و دولت کے اعتبار سے بہت مضبوط تھے'' اگر مال و دولت کی فراوانی اللہ کی رضا اور محبت کی علامت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کبھی ہلاک نہ کرتا اس سے معلوم ہوا کہ قارون تقدیر کا منکر نہیں بلکہ تقدیر پر ایمان رکھتا تھا، اسی طرح سورۃ کہف میں دو آدمیوں کی مثال بیان کی گئی ہے جس میں سے ایک مالدار تھا اور دوسرا تنگدست، پھر جب مالدار آدمی سے کہا گیا کہ تم اپنے مال میں سے غرباء و مساکین پر خرچ کرو تو اس نے بھی یہی کہا کہ یہ میری محنت کا نتیجہ ہے میں کیوں کسی پر مال خرچ کروں، حالانکہ اگر وہ اسے تقدیر کا لکھا ہوا سمجھتا تو اس تقدیر کے لکھے پر شکر ادا کرتا اور شکرانے کے طور پر اپنے مال میں سے ضرورت مندوں کا حصہ بھی ادا کرتا۔ اسکے برخلاف وہ لوگ جن کا رزق اللہ تعالیٰ نے تنگ کر دیا ہو وہ سر توڑ کوشش کے باوجود بھی جب اپنی مرضی و منشا کے مطابق تونگری حاصل نہیں کر پاتے تو تقدیر پر ایمان نہ رکھنے کے باعث مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں اور آخر کار خودکشی جیسے بھیانک عمل کو بھی کر گزرتے ہیں اس لئے جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ درحقیقت کسی اور کا کچھ نقصان نہیں کرتا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

اسی طرح اعمال صالحہ کا معاملہ ہے اگر یہ عمل انسان نے اپنے اختیار اور کسی بیرونی مدد کے بغیر کیا ہو تو وہ کسی کا شکریہ ادا نہیں کرے گا اور اسی عمل پر کسی کا احسان مند نہیں ہوگا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لیکن اگر وہ یہ سمجھے کہ یہ عمل میرے بس میں تھا اور نہ میرے لئے ممکن بلکہ یہ تو رب تعالیٰ کی خصوصی توفیق اور مدد سے انجام پایا ہے تو زندگی بھر رب تعالیٰ کا ممنون اور شکر گزار رہے گا اور قرآن وسنت میں اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ انبیاء کرام وصالحین اپنے اعمال صالحہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہے کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ عمل بغیر کسی مدد کے میرے اختیار سے وجود میں آیا ہے۔

تقدیر کا لغوی اور شرعی معنی:

پرویز صاحب نے تقدیر کے معنی پیمانہ الٰہی کیا ہے جو کہ صحیح نہیں بلکہ تقدیر کا معنی ہے پیمانے سے چیزوں کا ناپنا کیونکہ لفظ تقدیر مصدر ہے اور کسی مصدر کا ترجمہ جب بھی اردو میں کیا جائے تو اسکے آخر میں ''نا'' آتا ہے جیسا کہ قتل کے معنی ہیں قتل کرنا اور ضرب کے معنی ہے مارنا اسی طرح تقدیر کا مطلب ''ناپ'' نہیں بلکہ ''ناپنا'' ہے اور ''ق.ر'' کا مطلب ''ناپا'' ہے ،اس معنی کے لحاظ سے لفظ تقدیر کا مطلب ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کو ناپ تول کر پیدا کیا ہے اور جو شخص کسی چیز کو ناپ تول کر بناتا ہے یا لیتا ہے اور دیتا ہے تو اسکو اس چیز کی مقدار وکمیت کا پورا پورا علم ہوتا ہے نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اور حیوان کا رزق ناپ تول کر مقرر کر دیا ہے اب اس میں کمی بیشی ناممکن ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی عمر بھی ناپ وتول کر مقرر کر دی ہے جس میں اضافہ یا کٹوتی ناممکن ہے البتہ اگر اللہ تعالیٰ خود چاہے تو اس رزق یا عمر میں کمی بیشی کر سکتا ہے کیونکہ اس سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہے یہی بات ایک حدیث میں بھی مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

«عن ابن مسعود ﷺ قال حدثنا رسول الله ﷺ وهو الصادق المصدوق ، ان خلق احدكم يجمع في بطن امه اربعين يوما نطفة ثم يكون علقة مثل ذالك ثم يكون مضغة مثل ذالك ثم يبعث الله اليه ملك

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



باربع كلمات ،فيكتب عمله واجله ورزقه وشقي او سعيد ثم ينفخ فيه الروح فو الذي لا اله غيره ان احدكم ليعمل بعمل اهل الجنة حتى ما يكون بينه وبينها الاذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل النار فيدخلها وان احدكم ليعمل بعمل اهل النار حتى ما يكون بينه وبينها الاذراع فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل اهل الجنة فيدخلها» (صحيح بخاري: ٣٢٠٨، صحيح مسلم: ٦٧٢٣، ابو داؤد: ٤٧٠٨، ترمذي: ٢١٣٧، ابن ماجه: ٧٦)

یعنی ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے اور جو بات آپ کو بتائی جاتی تھی وہ بھی سچی ہوتی تھی ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے ہر انسان کی پیدائش اس طرح ہوتی ہے کہ ماں کے بطن میں چالیس دن تک نطفہ کی حالت میں رہتا ہے ۔ پھر اگلے چالیس دن خون کی حالت میں رہتا ہے ۔ پھر اگلے چالیس دن گوشت کے ٹکڑے کی حالت میں رہتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسکی جانب ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ فرشتہ آ کر اسکا عمل ، اسکی عمر ، اسکا رزق اور اسکا نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھتا ہے پھر اس میں روح پھونکتا ہے ، اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ایک انسان جنتیوں والے اعمال کرتا رہتا ہے اور عمل کرتے کرتے جنت کے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ اس کے اور جنت کے مابین صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر وہ پلٹ کر جہنمیوں والے اعمال کرنے لگتا ہے اور اسی پر مر کر جہنم میں چلا جاتا ہے ۔ جبکہ ایک انسان پوری زندگی جہنمیوں والے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جہنم کے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ اسکے اور جہنم کے مابین صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر وہ پلٹ کر جنتیوں والے اعمال کرنے لگتا ہے اور اسی پر اسکا خاتمہ ہوتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے''

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان پر آخر میں اللہ تعالیٰ کا لکھا غالب آ جاتا ہے پھر

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وہ وہی عمل کر کے مرتا ہے جو اسکا مقدر ہوتا ہے اور اللہ کے پاس لکھا ہوا محفوظ ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ناپ تول کر اسکا انجام لکھتا ہے جو کبھی غلط واقع نہیں ہوسکتا ہے اسکی مثال یہ ہے کہ ایک سائنس دان سورج کے بارے میں پیش گوئی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سورج فلاں تاریخ کو اتنے بج کر اتنے منٹ پر اپنی روشنی کھو دے گا اور گرہن ہو کر کالا ہو جائے گا اس سائنس دان کی خبر سو فیصد پوری اترتی ہے اور چمکتا دمکتا سورج جو پوری دنیا کو روشن کر رہا ہوتا ہے یکدم سیاہ ہو جاتا ہے لیکن اسی نوعیت کی بات جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی انسان کے بارے میں ارشاد کرے کہ وہ انسان اپنے آخری وقت میں اپنے پہلے دین ومذہب سے ہٹ کر دوسرا دین اختیار کر کے مرے گا تو دنیا کہنے لگتی ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے ہم اس کو ماننے کو تیار نہیں ہیں یعنی انسان اپنے جیسے انسان کے علم کی بنیاد پر کی گئی پیش گوئی کی تصدیق کرتا ہے جبکہ رب تعالیٰ کے علم کی بنیاد پر آنے والی انسانی حالات کی خبر کی تصدیق کرنے سے انکار کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ لفظ تقدیر کے لغوی اور شرعی معنی میں اختلاف نہیں ہے۔

## کیا مسئلہ تقدیر میں قرآنی آیات باہم متصادم ہیں؟:

پرویز صاحب ''کتاب التقدیر'' میں صفحہ ۲۳ پر لکھتے ہیں کہ:

''اور (کفار کے) جس طبقہ نے قرآن کریم کا مطالعہ شروع کر دیا تھا ان کا اعتراض یہ تھا کہ ہمیں تو اس میں قدم قدم پر تضادات ملتے ہیں کہیں وہ کہتا ہے کہ جس کا جی چاہے ہدایت حاصل کر لے اور جس کا جی چاہے گمراہ ہو جائے، اور کہیں کہتا ہے ہدایت وگمراہی خدا کی طرف سے ملتی ہے انسان کا اسمیں کوئی اختیار نہیں''

پرویز صاحب کی اس بات سے واضح طور پر یہ اشارہ ملتا ہے کہ قرآن کریم کی آیات میں باہم تضاد اور اختلاف ہے جس کو پرویز صاحب نے اپنی کتاب التقدیر میں حل کیا ہے، پرویز صاحب کی یہ بات کہاں تک درست ہے یہ ہم قرآن سے پوچھتے ہیں، قرآن کریم میں اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ (سورۃ النساء، آیت ۸۲)

یعنی ''کیا ان لوگوں نے قرآن میں غور نہیں کیا، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے'' اس آیات کریمہ میں قرآن کے سچے ہونے کی دلیل اس بات کو قرار دیا گیا ہے کہ اس میں اختلاف نہیں یہی بات اس حقیقت کیلئے کافی ہے کہ یہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں قرآن کی اس وضاحت کے بعد پرویز صاحب نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے ان لوگوں کو قرآن میں اختلاف کیوں نظر آیا، ہمارے علم کے مطابق اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے کسی عربی دان مفسر کی تفسیر نہیں پڑھی حالانکہ قرآن کو سمجھنے کے لئے کسی عربی دان مفسر سے قرآن کی تفسیر سمجھنا ضروری ہے اور اگر کوئی شخص عربی زبان کے قرآن کی تفسیر کسی عجمی شخص سے پڑھنا چاہے گا تو وہ قرآن کی صحیح تفسیر سے محروم رہے گا۔ یہاں مخالفین کی جانب سے یہ اعتراض بھی وارد ہوسکتا ہے کہ قرآن کا اردو مفہوم یا تفسیر پرویز کے علاوہ دیگر بہت سے لوگوں نے بھی لکھی ہیں ایسی صورت میں ان تمام تفاسیر کو غلط قرار دیا جانا چاہیے جبکہ ایسا نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ پرویز کے علاوہ جن اہل علم حضرات نے بھی قرآن کی تفاسیر اردو زبان میں لکھی ہیں ان سب نے عربی تفاسیر اور احادیث نبوی ۔ سے استفادہ کرنے کے بعد ہی ان تفاسیر کو رقم کیا ہے لہٰذا اصولی طور پر وہ اردو تفاسیر قرآن کی منشاء کے مطابق ہیں البتہ علم وتفہیم کی بنیاد پر بعض اختلافات بھی ہیں، قرآن کریم کی عربی زبان میں بے انتہاء تفاسیر دستیاب ہیں اور ان میں سے بعض تفسیروں کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے پرویز صاحب کو اعتراض لکھ کر بھیجنے والے افراد اگر ان عربی تفاسیر کی طرف رجوع کرتے تو وہ قرآن میں کوئی اختلاف نہ پاتے اور قرآنی آیات پر اعتراض روانہ کرنے والے غالباً وہی لوگ ہیں (جو پرویز صاحب کے سرپرست ہیں اور انھوں نے اسلام میں فتنہ بنانے کیلئے پرویز صاحب کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کھڑا کیا ہے یا پھر وہ لوگ ) جو پرویز صاحب کے معتقدین ہیں اور پہلے سے ہی انکار حدیث کے فتنہ میں مبتلا ہیں یہ لوگ اگر قرآن کو قرآن پہنچانے والے کے بیان سے ہٹ کر اپنی طرف سے سمجھنے کی کوشش کریں گے تو گمراہی کے سوا کچھ نہیں پائیں گے ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ قرآن نبی کریم ﷺ پر نازل فرمایا اور ساتھ ہی سورۃ النحل میں یہ اعلان بھی کیا کہ :

﴿ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ (النحل: ٤٤)

یعنی ''اے محمد ﷺ یہ ذکر یعنی قرآن ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے ، آپ ﷺ ہی اس کا مفہوم اور تشریح لوگوں کے لئے بیان کریں تا کہ لوگ اس میں غور وفکر کریں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مفہوم بیان کرنا نبی کا وظیفہ ہے جو اقوال واعمال دونوں شکلوں میں ہوسکتا ہے اسکے علاوہ خود قرآن کی بعض آیات بھی بعض آیات کی تشریح کرتی ہیں چنانچہ امت کے اہل علم کا وظیفہ یہ ہے کہ قرآن اور نبی کریم ﷺ کے بیان یا عمل جسے عرف عام میں حدیث کہا جاتا ہے کی باہم مطابقت کو سامنے لاتے ہوئے ایک مربوط انداز میں عوام کے سامنے پیش کریں جسے عرف عام میں تفسیر کہا جاتا ہے لیکن جو شخص صاحب قرآن کے کلام کو حجت تسلیم کرنے کو تیار نہ ہو وہ قرآن کو حجت کیسے تسلیم کرے گا اس کو قرآن میں اختلاف کے سوا اور کیا نظر آئے گا ، قرآن کریم میں متعدد آیات ایسی ہیں جو صحابہ کرام کو بھی از خود سمجھ میں نہیں آسکیں بلکہ انھیں ان آیات کو سمجھنے کے لئے صاحب قرآن کی طرف رجوع کرنا پڑا مثلاً حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر ابن کثیر میں صحیح بخاری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ : ''صحابی رسول ﷺ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سورۃ البقرۃ کی آیت :

﴿ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



الْاَسْوَدِ﴾ (سورۃ البقرہ: ۱۸۷)

کے حکم کے مطابق ایک سیاہ دھاگہ اور ایک سفید دھاگہ رکھ لیا اور جب تک ان میں تمیز نہ ہوئی روزہ رکھنے کے لئے سحری کھاتا رہا پھر صبح کو اس بات کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا مراد ہے'' (تفسیر ابن کثیر: ج۱ ص ۴۰۱، صحیح بخاری: ۴۵۰۹)

یعنی اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جب ایک صحابی جو اہل زبان ہے اور قرآن اسکی زبان میں نازل ہوا ہے اسے قرآن کے ظاہری الفاظ سے غلطی لگ سکتی ہے اور وہ قرآن کی مراد کے برخلاف مفہوم اخذ کر سکتا ہے تو پھر بعد میں آنے والے لوگ قرآن کو اسکے ظاہری الفاظ اور محض عربی لغت کی مدد سے کس طرح سمجھ سکتے ہیں ۔ پس ضروری ہے کہ قرآن کی تفسیر بالعموم اور مشکل آیات کا مفہوم بالخصوص صاحب قرآن نبی کریم ﷺ سے معلوم کرنا چاہیے جو آج ہمارے پاس آپ ﷺ کے اقوال واعمال پر مشتمل صحیح احادیث کی صورت میں قطعی طور پر محفوظ ہے ۔ لیکن جو شخص یا جو فرقہ احادیث کے بارے میں شک کرتا ہو یا احادیث کا مطلقاً انکاری ہو وہ قرآن کی کسی آیت کی تفسیر یا مفہوم متعین کرتے ہوئے لامحالہ اپنے ذاتی جذبات ، محدود علم ، معاشرتی دباؤ اور ناقص عقل کے دام فریب میں گرفتار ہوگا اور منشاء الٰہی کے برخلاف قرآن کی تشریح اور مفہوم بیان کرنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکے گا یہی وجہ ہے بعض اہل علم نے یہاں تک کہا کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنا کسی کی ذاتی رائے پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر ہے ۔

## منکرین حدیث بھی احادیث کے محتاج ہیں:

منکرین حدیث عبادات و مذہبی رسومات کے ضمن میں کلی طور پر حدیث کے محتاج ہیں مثلاً نماز ، روزہ حج اور زکوۃ کی ادائیگی حدیث کو اپنائے بغیر ممکن ہی نہیں اسی طرح نکاح یا مردے کی تجہیز و تکفین وغیرہ بھی حدیث کی رہنمائی کے بغیر ناممکن ہے لیکن صرف یہی نہیں بلکہ حدیث

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کا انکار کرنے کے لئے بھی منکرین حدیث کو بالآخر حدیث ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے مثال کے طور پر منکرین حدیث اور ان کے متبعین کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ قرآن کو حجت مانتے ہوئے کہا تھا کہ ''حسبنا کتاب اللّٰہ'' یعنی ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے، اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول قرآن کی کونسی آیت میں ہے تو وہ کہیں گے جی یہ قرآن میں نہیں ہے یہ تو حدیث میں ہے یعنی حدیث کا انکار کرنے والے حدیث کی حجیت سے انکار کرنے میں خود حدیث کے محتاج ہیں، منکرین حدیث یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثوں کے نہ لکھنے کا حکم دیا تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی حدیث ہی ہے جس کو حدیث کے حجت نہ ہونے پر پیش کیا جاتا ہے، لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کے نزدیک جب حدیث سرے سے حجت ہی نہیں ہے تو منکرین حدیث انکار حدیث کے ثبوت میں احادیث کو پیش کیوں کرتے ہیں؟

## عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول حسبنا کتاب اللہ کا مطلب:

اگر کوئی موحد اور متبع سنت سوال کرے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول کا مطلب کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عمر فاروق نے قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا جس میں ہر آیت کا مفہوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خود بتایا تھا یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اشارہ محض قرآن کے الفاظ کی طرف نہیں بلکہ اس سے مراد قرآن کے الفاظ اور ان کا وہ مفہوم تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکھایا تھا یعنی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول سے قرآن مفسر ومشرح بالحدیث مراد ہے یعنی [حسبنا کتاب اللہ] سے مراد صرف قرآن کریم مراد لینا بہت بڑی جہالت کی بات ہے کیونکہ سورۃ نحل کی آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ قرآنی آیات واحکامات کی شرح وتفسیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سونپی گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے پورے تیئس سال میں اس شرح کو مکمل کیا اس لئے حجۃ الوداع میں اعلان ہوا کہ:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ﴾

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



(سورة المائدة آیت: ۳)

یعنی ''آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا گیا اور نعمتوں کی تکمیل کر دی گئی''

قابل غور مقام ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کرنے کی خبر دی ہے اور دین محض قرآن نہیں بلکہ قرآن کے علاوہ نبی کا قول اور عمل بھی دین ہے یعنی یہاں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے قول اور عمل سے قرآن کی تفسیر کر کے دین کی تکمیل کر دی ہے۔ اس اعتبار سے فاروق رضی اللہ عنہ کے قول [حسبنا کتاب اللہ] میں قرآن کے ساتھ اسکی تفسیر از خود داخل ہے کیونکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قرآن کو پرویز صاحب کی طرح لغت اور منطق کی مدد سے از خود نہیں سمجھا تھا بلکہ قرآن کی تشریح نبی کریم ﷺ سے باقاعدہ حاصل کی تھی اسی چیز کو اصطلاح میں حدیث نبوی ﷺ کہا جاتا ہے نیز معلوم ہونا چاہیے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام کے لئے حدیث بذاتہ حجت تھی اسکی سب سے قوی دلیل وہ تاریخی حقیقت ہے جسمیں نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد انصار نے خلافت کے مسئلہ میں اختلاف کیا اور کہا کہ خلیفہ ہم میں سے ہوگا اس موقع پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی قرآنی آیت کو پیش نہیں کیا بلکہ صرف ایک حدیث پیش کی اور فرمایا:

«لقد علمتم ان رسول الله ﷺ قال: لو سلك الناس واديا وسلكت الانصار واديا سلكت وادي الانصار، ولقد علمت ياسعد ان رسول الله ﷺ قال وانت قاعد قريش ولاة هذا الامر خبر الناس تبع لبرهم وفاجرهم تبع لفاجر فقال له سعد صدقت نحن الوزراء وانتم الامراء»

(رواه الامام احمد فی مسنده، الفتح الربانی، والبداية والنهاية ص ۲۸۵،۲۸٤ ج۵)

یعنی ''اے انصار کیا تم جانتے ہو کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا، اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں تو میں انصار کے ساتھ چلوں گا اور اے سعد رضی اللہ عنہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ قریش اس امر کے والی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہیں ، پس نیک آدمی نیک آدمی کا اور فاجر آدمی فاجر کا پیروکار ہے تو سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ سچ فرماتے ہیں ہم وزراء ہیں آپ امراء ہیں''

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر امت کا اتفاق قرآن کی کسی آیت کی بنا پر نہیں بلکہ صرف حدیث کی بنیاد پر ہوا نیز عمر فاروق رضی اللہ عنہ جن کا قول ''حسبنا کتاب اللہ'' ہے وہ بھی محض حدیث کی بنیاد پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے اولین لوگوں میں شامل تھے اور انصار میں سے خلافت وامارت کے دعویدار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے دعویٰ سے دستبردار قرآن کی کسی آیت سے نہیں بلکہ ایک حدیث سن کر ہوئے مزید برآں یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک قرآن باقاعدہ مصحف یعنی کتابی شکل میں موجود نہیں تھا اس اعتبار سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول [حسبنا کتاب اللہ ] کا مقصد آج مصحف کی صورت میں پائے جانیوالے قرآن کی طرف اشارہ نہیں ہوسکتا بلکہ [ کتاب اللہ ] سے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مراد یقیناً [ احکام اللہ ] ہیں کیونکہ عربی زبان میں احکامات کو بھی کتاب کہا جاتا ہے۔

مثلاً سورۃ البینہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴾

یعنی ''اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھے ،جس میں صحیح اور درست احکامات ہوں''

اسی طرح کہیں کہا گیا [ کتب علیکم القصاص ] اور کہیں کہا گیا کتب علیکم الصیام ] اس سے معلوم ہوا کہ کتاب کا مطلب فرائض اور احکامات بھی ہوتے ہیں جبکہ اردو زبان میں جسے ہم کتاب کہتے ہیں اسکے لئے عربی زبان میں عام طور پر مصحف کا لفظ مستعمل ہے جیسا کہ مندرجہ بالا قرآنی آیت مین استعمال ہوا ہے درحقیقت منکرین حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول کی غلط تاویل کرکے احادث کی حجیت سے قطعی طور پر پیچھا چھڑانا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چاہتے ہیں حالانکہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دینی معاملات میں احادیث کے حجت ہونے کے قائل تھے۔

## کیا قرآن کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہوسکتا؟:

پرویز صاحب نے کتاب التقدیر میں لکھا ہے کہ'' قرآن کریم کے مطالب تک پہنچنے کے راستے میں دوسری رکاوٹ یہ ہے کہ ہم اسے بالعموم تراجم کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہوسکتا'' پرویز صاحب نے یہ بات دراصل اس لئے کہی ہے تاکہ وہ قرآن کریم کی آیات کے مفہوم کے نام پر اپنے موقف کو قرآن کا فرمان بنا کر پیش کرسکیں اور کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ جناب آپ کی فلاں بات قرآن کی آیات کے ترجمہ سے مطابقت نہیں رکھتی مزید حفظ ما تقدم کے طور پر پرویز صاحب نے آگے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ'' آئندہ صفحات میں آپ لکھا پائیں گے کہ اس آیت کا مروجہ ترجمہ یہ ہے لیکن اس کا مفہوم یہ ہے'' یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پرویز صاحب نے قرآن کے ترجمہ سے ہٹ کر قرآنی آیات کا جو مفہوم بیان کیا ہے اسکے لئے اپنا ماخذ وذریعہ عربی لغت کو قرار دیا ہے لیکن چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں کوئی ایک بھی قابل ذکر ہستی ایسی نہیں جس نے قرآن کا وہ مفہوم بیان کیا ہو جو پرویز صاحب نے بیان کیا ہے خاص طور پر اہل زبان مفسرین میں سے کسی نے بھی قرآن کا مفہوم وہ نہیں سمجھا جو پرویز صاحب نے سمجھا ہے، اسکا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں پوری امت مسلمہ قرآن کی تفسیر سے جاہل رہی اور قرآن کے نزول کے بعد پہلی بار اسکی تشریح وتوضیح پرویز صاحب پر کھلی ہے یہ ایک ایسی بات ہے جس کی تصدیق کسی مسلمان سے ممکن نہیں حتیٰ کہ خود منکرین حدیث بھی ایسی بات منہ سے نکالنے کی جرأت نہیں کرسکتے، تو پھر کیا یہ کہا جائے کہ معاذ اللہ تمام مفسرین ومحدثین نے جان بوجھ کر امت مسلمہ کو قرآن کی صحیح تفسیر وتشریح سے محروم رکھا تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس بات کو بھی اہل تشیع کے علاوہ مسلمانوں میں سے کوئی تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوگا یعنی امت مسلمہ کے نزدیک تمام اسلاف مفسرین ومحدثین مؤمن ومسلم ہیں اور ان کی بیان کردہ تفسیر وتشریح کے حق وصحیح ہونے پر امت کا اتفاق واجماع ہے، تو اب ایسی صورت میں ہم دیکھیں گے کہ پرویز اور اسکا بیان کردہ قرآنی مفہوم کس درجہ میں آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾

(سورۃ النساء: ۱۱۵)

یعنی ''جس نے ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول ﷺ کی مخالفت کی اور مؤمنین کے راستے کے سوا کسی دوسرے راستے کی پیروی کی تو ہم اسے اس کی راہ پر چلنے دیں گے اور آخر کار وہ جہنم میں جا پڑے گا جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے'' پرویز صاحب کے سامنے تمام اسلاف کی تفاسیر ہدایت کے لئے موجود تھیں لیکن انھوں نے ان سب کو بیک جنبش قلم رد کر دیا اور خود قرآن کا مفہوم لکھا جس میں احادیث نبوی ﷺ سے صرف نظر کرتے ہوئے محض اپنی عقل کو بنیاد بنایا اس طرح رسول ﷺ کی مخالفت کی مزید برآں تمام مفسرین کو مومن ومسلم تسلیم کرنے کے باوجود ان تمام قرآنی آیت کی ایک نئی تفسیر کی جن پر تمام اہل علم متفق تھے۔ اس طرح مؤمنین کے راستے کو چھوڑ کر ایک دوسرا راستہ اختیار کیا جو سیدھا جہنم کی طرف جاتا ہے مثلاً پرویز صاحب نے شیطان ابلیس اور جنات کے بارے میں قرآنی آیات کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ اسلام کی پوری تاریخ میں کسی اہل علم نے بیان نہیں کیا، یہ صرف پرویز صاحب کی اپنی اختراع ہے جو قرآن کی تفسیر یا قرآنی آیات کا مفہوم نہیں بلکہ صریح قرآن کی تحریف ہے، پرویز صاحب نے کتاب التقدیر ص ۱۹۳ میں زیر عنوان ''قرآن کریم کی تفسیریں'' لکھا ہے کہ: ''سب سے پہلے محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ ہجری نے تفسیر القرآن لکھی اس تفسیر میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



انھوں نے ہر آیت کی تشریح میں روایات نقل کر دیں اور اس طرح یہ خیال قائم کر دیا کہ وہ تشریح انکی اپنی یا کسی اور کی نہیں بلکہ خود رسالت مآب ﷺ کی بیان کردہ تفسیر ہے، اس کے بعد سے آج تک جتنی بھی تفاسیر لکھی گئی ہیں ان کی بنیاد امام طبری کی تفسیر ہے'' پرویز صاحب کی اس تحریر میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے قرآن کی ہر آیت کی تفسیر بذریعہ روایات خود رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے حالانکہ پرویز صاحب کی یہ بات غلط ہے کیونکہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تفسیر آج بھی ہر جگہ دستیاب ہے جسمیں ہر آیات کی تفسیر نبی کریم ﷺ سے منقول نہیں بلکہ بیشتر حصہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سے منقول تفسیر پر مشتمل ہے، اور پرویز صاحب نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اسکے بعد سے آج تک جو بھی تفاسیر لکھی گئی ہیں انکی بنیاد ابن جریر کی تفسیر ہے پرویز صاحب نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ امت مسلمہ کے تمام علماء وفقہاء ومفسرین نے طبری کی تفسیر میں اپنائے گئے اصولوں کو صحیح مانتے ہوئے انہی اصولوں کو اپنی تفاسیر کی بنیاد بنایا ہے جبکہ پرویز صاحب کے خیال میں تفسیر طبری کی بنیاد ہی غلط ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں جس قدر بھی تفاسیر آج تک ہوئیں وہ سب غلط قرار پائیں اور تمام اہل علم جنھوں نے یہ تفاسیر لکھیں وہ سب قرآن سے جاہل رہے کیونکہ انھوں نے ایک بے بنیاد تفسیر پر اپنی تفاسیر کی بنیاد رکھدی۔ اس طرح یہ امت پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کے منظر عام پر آنے تک قرآن سے جاہل ہی رہی بلکہ اہل عرب تو آج بھی قرآن سے جاہل ہوئے کیونکہ مفہوم القرآن کا ابھی تک عربی ترجمہ نہیں ہوا یعنی اگر پرویز صاحب یہ بات دعویٰ نبوت کے ساتھ کہتے اور اپنے آپ کو نبی اور رسول کہہ کر پوری امت کی تفسیروں کو غلط کہتے تو شاید کچھ بات بنتی تھی مگر دعویٰ نبوت کے بغیر ایک پرویز صاحب کی جرح پر تمام امت کو گمراہ قرار نہیں دیا جا سکتا قارئین شاید ہماری اس بات کو مبالغہ آرائی خیال کریں اس لئے ثبوت کے طور پر ہم پرویز صاحب کا موقف کھل کر قارئین کے سامنے آجائے گا، پرویز صاحب ایک آیت کے ترجمہ پر اپنی رائے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اس سے میرا مقصد یہ نہیں کہ آیت کا وہ ترجمہ غلط ہے، جب آیات قرآنی کا ترجمہ ممکن ہی نہیں تو اسکے صحیح یا غلط ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ:

﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (سورۃ النحل آیت ۹۳)

اسکا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، آپ قرآن کے کسی نسخہ کو اٹھا کر دیکھ لیں اس میں آپ کو یہی ترجمہ ملے گا حتی کہ آپ عربی زبان کی لغت کو اٹھا کر دیکھ لیں تو اسکی رو سے بھی اس آیت کا یہی ترجمہ کیا جائے گا، لیکن جب تصریف آیات کی رو سے اس آیت کو دیکھیں گے تو صاف نظر آ جائے گا کہ جو مفہوم اس ترجمہ کی رو سے متعین ہوتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ صحیح نہیں بلکہ قرآنی تعلیم کے بالکل خلاف ہے لہذا جب تک ہم قرآن مجید کے مختلف مقامات کی روشنی میں من یشاء کا مفہوم متعین نہیں کریں گے اس آیت کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آئے گا'' (کتاب التقدیر ص ۲۵، ۲۶)

پرویز صاحب نے یہاں یہ بات تسلیم کی ہے کہ مذکورہ آیت کا یہ ترجمہ کہ ''اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے'' عربی لغت کے اعتبار سے صحیح ہونے کے باوجود غلط ہے اور قرآنی تعلیم کے خلاف ہے، اسکا مطلب یہ ہوا کہ تمام مفسرین قرآنی تعلیم سے جاہل تھے اور تصریف آیات کے فن سے ناواقف تھے اور اگر ایسا نہیں تو پھر یقیناً پرویز صاحب پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے جس کے سبب وہ تمام اہل علم اور عربی لغت کے خلاف آیت کا ترجمہ یا مفہوم بیان کر رہے ہیں پس پرویز صاحب کے بیان کردہ مفہوم کو صرف وہی شخص صحیح تسلیم کر سکتا ہے جو پرویز صاحب کو نبی و رسول مانتا ہو یا پھر عقل سے یکدم کورا ہو مگر اہل بصیرت کے لئے اس کی قبولیت کا قطعی کوئی امکان نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## پرویز صاحب اور فرقہ باطنیہ:

پرویز صاحب ایک جانب یہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہوسکتا اور دوسری جانب یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن کریم کے جو بھی تراجم کئے گئے ہیں وہ عربی لغت کے قطعی مطابق ہیں اس کے باوجود پرویز صاحب نے ان ترجموں کو غلط کہا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پرویز صاحب باطنیہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں، باطنی فرقہ شیعہ کا اسماعیلی فرقہ ہے اس فرقہ کے عقیدے کے مطابق قرآن کریم کا ظاہری ترجمہ ومعنی لینا جائز نہیں بلکہ قرآن کا ایک باطنی مفہوم ہے جو اس کے ظاہر کے بالکل مخالف ہوتا ہے اور وہی باطنی مفہوم معتبر ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے اور یہ باطنی مفہوم صرف آئمہ شیعہ جانتے ہیں جن کا علم بغیر کسی واسطہ کے اللہ سے براہ راست حاصل ہوتا ہے اور وہی قرآن کا صحیح مفہوم بیان کر سکتے ہیں، اس فرقہ کے نزدیک قرآن کے الفاظ رموز وارشادات ہوتے ہیں جو ہر ایک کی سمجھ نہیں آسکتے یہی وجہ ہے کہ شیعہ تفاسیر میں قرآنی الفاظ کے باطنی معنی کئے گئے ہیں جو لغت عرب سے کسی طرح موافقت نہیں رکھتے مثلاً سورۃ النور کی تفسیر کرتے ہوئے شیعہ نے لکھا ہے کہ:

«فی الاحتجاج عن الحسن بن علی فی حدیث له معاویه و اصحابه و قدنالوا من علی الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات»

(ص ۱۰۷ ج۵)

یعنی ''سورۃ نور میں یہ آیت جس میں ہے کہ خبیث مرد خبیث عورتوں کیلئے ہیں اور خبیث عورتیں خبیث مردوں کیلئے ہیں اس سے مراد معاویہ بن ابی سفیان اور اس کے ساتھی ہیں، اور پاک مرد پاک عورتوں کیلئے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کیلئے ہیں اس سے مراد علی بن ابی طالب اور ان کی جماعت والے شیعہ ہیں'' اسی طرح مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ ہو:

﴿اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ يَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ﴾ (سورۃ العنکبوت ٦٢)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''کون ہے جو پریشان حال کی پکار کو پہنچتا ہے جب وہ پکارے اور اس سے تکلیف دور کر دیتا ہے اور اس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنا دیا ہے'' اس آیت کی تفسیر میں المیزان فی تفسیر القرآن میں لکھا ہے کہ:

''اس سے مراد شیعوں کا امام ہے جسے القائم کہتے ہیں وہ مضطر اور مجبور ہو کر مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا سنے گا پھر اس کی مجبوری و مقہوری کو دور کر کے اس کو خلیفہ بنا دے گا'' (المیزان ص ۳۹۱ ج ۳)

اسی طرح سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹ ﴿ان الدین عند اللہ الاسلام﴾ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''یہاں اسلام سے مراد تسلیم کرنا ہے اور تسلیم سے مراد علی بن ابی طالب کی خلافت کو تسلیم کرنا ہے تو اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک دین یہ ہے کہ علی کی خلافت کو تسلیم کیا جائے'' (المیزان ص ۱۲۶ ج ۱۵)

اسی طرح سورۃ الروم کی آیت ۳۰ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''اس فطرت سے مراد جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے یہ کلمہ ہے'' لا الـــہ الا اللـہ محـمد رسول اللہ علی امیر المؤمنین علی ولی اللہ ، الی ھاھنا التوحید'' یعنی وہ کلمہ جس کے پڑھنے سے انسان مسلمان ہوتا ہے جس میں علی امیر المؤمنین ولی اللہ کہنا پڑے گا یہ پورا کلمہ توحید کہلاتا ہے اس سے کم نہیں اس لئے اس روایت کے آخر میں'' الـــی ھاھنا التوحید'' کے الفاظ ہیں یعنی یہاں تک پڑھنا توحید ہے'' (المیزان ص ۱۲۶ ج ۱۶)

اسی طرح سورۃ البقرۃ آیت ۳ میں ﴿الذین یومنون بالغیب﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے المیزان ص ۴۶ ج ۱ پر لکھا ہے کہ'' اس سے مراد شیعوں کے امام القائم ہیں ان کو امام برحق ماننا مراد ہے'' اور اسی تفسیر کے ص ۱۴۱ ج ۱۷ پر سورۃ الصافات کی آیت ۲۴ کی تفسیر میں لکھا ہے ﴿وقفوھم انھم مسئولون﴾ ''ان کو روک دو ان سے سوال ہوگا اس سوال سے مراد علی بن

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



طالب کی خلافت کا سوال ہے مانا تھا یا نہیں'' یہ ہے باطنی تفسیر جس کی قرآن کریم کے ظاہری الفاظ و معنی سے کوئی مطابقت نہیں ہے پرویز صاحب نے بھی ایسی ہی باطنی تفسیریں کی ہیں اور یہ بات تسلیم کی ہے کہ ان کا بیان نہ قرآن کی تفسیر ہے اور نہ ہی ترجمہ ہے جس کا ثبوت پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کے سرورق پر موجود یہ عبارت ہے کہ'' یہ نہ قرآن کریم کا ترجمہ ہے نہ تفسیر بلکہ اسکا مفہوم ایسے واضح ،مسلسل ،مربوط اور دل کش انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ جس سے قرآنی مطالب تابندہ ستاروں کی طرح نگہ بصیرت کے سامنے ابھر کر آجاتے ہیں'' اس اعتبار سے پرویز صاحب باطنی فرقہ کے ایک اہم رکن قرار پاتے ہیں اور باطنی فرقہ اسلام سے خارج ہے کیونکہ اس فرقہ کے عقائد اور اعمال اسلام سے مطابقت نہیں رکھتے یہ فرقہ اگر چہ قرآن پر ایمان کا دعویدار ہے لیکن درحقیقت یہ باطنی فرقہ قرآن کا بھی منکر ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے عقیدے قرآن کے مطابق بنانے کی بجائے ہمیشہ قرآن کو اپنے عقیدے کے مطابق بنانے کی سرتوڑ کوشش میں لگے رہتے ہیں اس فرقہ کی بنیاد ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے رکھی تھی جو بظاہر مسلمان ہو گیا تھا نیز اسی فرقہ کی وجہ سے مسلمانوں میں عقیدہ وحدۃ الوجود بھی آیا کیونکہ عبداللہ بن سبا کہا کرتا تھا کہ علی بن ابی طالب میں اللہ کی روح سرایت کر گئی ہے اور شیعہ بھی اپنے ائمہ میں اللہ کی روح مانتے ہیں نیز صوفیہ بھی انسان کے اندر جو روح ہے اسے اللہ کی روح کہتے ہیں اس لئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ صوفیہ کا عقیدہ وحدۃ الوجود شیعہ کا ہی پیدا کردہ ہے نیز شیعہ کی طرح صوفیہ بھی قرآن کی باطنی تفسیر کرتے ہیں خواہ قرآن کے ظاہری الفاظ سے مطابقت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو اسی طرح پرویز صاحب نے بھی اہل مغرب کے عقائد اور اعمال سے مرعوب ہو کر قرآنی آیات کی ایسی تفسیر کی ہے جو مغرب زدہ افراد کے لئے قابل قبول ہو اور ان کے احساس کمتری کا کسی قدر مداوا کر سکے مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ کی آیت ﴿انعمت علیھم﴾ کی تفسیر ملاحظہ ہو لکھتے ہیں کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''یعنی وہ راستہ جس پر چل کر سعادت مند امم سابقہ زندگی کی خوش گواریوں اور سرفرازیوں سے بہرہ یاب ہوئیں اس سے انہوں نے کائنات کی قوتوں کو مسخر کر کے اپنی ہم عصر اقوام میں امتیازی حیثیت حاصل کر لی'' (مفہوم القرآن)

یہاں پرویز صاحب نے ﴿انعمت علیھم﴾ اس قوم کو قرار دیا ہے جو کائنات کو قوتوں کو مسخر کرے جبکہ نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور خلفاء بنی امیہ اور بنو عباس میں سے کسی نے بھی کائنات کو مسخر کر کے راکٹ، ہوائی جہاز بنائے اور نہ ٹیلی فون اور ٹیلی گراف کا نظام وضع کر سکے یعنی کائنات کو مسخر کرنے کیلئے کچھ نہیں کیا البتہ اہل مغرب نے گزشتہ زمانے میں تسخیر کائنات کا یہ تمام کام کیا اور اسی وجہ سے امت مسلمہ کو غلام بنائے ہوئے ہیں یعنی پرویز صاحب کی تفسیر کے مطابق ﴿انعمت علیھم﴾ کے مصداق یہی یورپ اور امریکہ والے ہیں اور آج ہر مسلمان اپنی نماز میں دعا کر رہا ہے کہ یا اللہ جس طرح تو نے یورپ والوں پر انعام کیا ہے اسی طرح ہم پر بھی انعام کر اور ہمیں انکے راستے پر چلا دے، پس ہمارے خیال میں قرآنی آیات کی اس قسم کی تحریف کے بعد پرویز صاحب کے مفہوم القرآن کو مفہوم القرآن کے بجائے تحریف القرآن کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

## تصریف آیات کا معنی اور مفہوم:

پرویز صاحب نے کہا ہے آیت ﴿یضل من یشاء ویھدی من یشاء﴾ کا تصریف آیات کی رو سے جو مفہوم متعین ہوتا ہے اسکی رو سے مفسرین کا ترجمہ صرف غلط ہی نہیں بلکہ قرآنی تعلیم کے بھی خلاف ہے۔ پرویز صاحب کے اس بیان پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ قرآن نبی کریم ﷺ کی تیئیس ۲۳ سالہ زندگی میں مکمل ہوا اور بعض سورتوں کے مابین برسوں کا فاصلہ ہے اسی طرح بعض آیات کے مابین بھی مہینوں اور سالوں کا فاصلہ ہے اس اعتبار سے بعض آیات کا ترجمہ بعض دوسری آیات کی وجہ سے کیسے غلط ہو سکتا ہے جبکہ ان آیات کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



نزول کے مابین مہینوں اور سالوں کا فاصلہ ممکن ہے یعنی یعنی یہ کیسے ممکن ہے ایک آیت کا معنی ومفہوم کسی دوسری آیت پر موقوف ہو جو اس آیت سے مہینوں اور برسوں بعد نازل ہوئی ہو، اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت کا ظاہری معنی ومفہوم کسی دوسری آیت پر موقوف ہو جو قرآن کی سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے اس آیت سے بہت آگے یا پیچھے واقع ہوئی ہو اس طرح قرآن کریم سے ہر عام وخاص فائدہ بھی نہیں اٹھا سکتا جب تک کہ وہ قرآن کی تمام سورتوں کے معنی ومفہوم پر مکمل دسترس نہ رکھتا ہو، نیز یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی آیات نازل ہی کیوں کیں جو اپنے معنی پر نہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر ان آیات کا صحیح معنی ومفہوم ان کے ظاہری معنی کے بالکل برعکس وخلاف ہے جو دوسری آیات سے تقابل کے بغیر سمجھی ہی نہ جا سکتی ہوں اس اعتبار سے وہ آیات جو اپنے ظاہری معنی پر نہیں بلکہ اپنے مفہوم کو ظاہر کرنے کے لئے کسی دوسری آیت یا آیات کی محتاج ہوں بے مقصد اور بلا فائدہ قرار پائیں گی حالانکہ قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں بھی یہ نظریہ رکھنا کہ وہ بے معنی و بے مقصد ہے صریح کفر ہے۔

## من یشاء کا معنی ومفہوم:

پرویز صاحب کتاب التقدیر ص ۲۱۷ پر رقم طراز ہیں کہ:

''عربی کے قاعدہ کی رو سے ﴿من یشاء﴾ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جسے اللہ چاہے اور دوسرے یہ کہ جو شخص ایسا چاہے مثلاً ﴿یضل من یشاء ویھدی من یشاء﴾ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جسے اللہ چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت دے اور دوسرے یہ کہ جو شخص ہدایت لینا چاہے اسے ہدایت مل جاتی ہے اور جو گمراہ رہنا چاہے وہ گمراہ رہتا ہے اسی طرح ﴿یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر﴾ کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ اللہ جسے چاہے کشادہ رزق دیتا ہے اور جس کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ جو شخص چاہے اسے کشادہ رزق ملے اسے کشادہ رزق مل جاتا ہے اور جو اپنے لئے رزق کی تنگی چاہے اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دونوں معنی میں ترجیح کن معنی کو ہوگی سو اسکا جواب آسان ہے کہ ان آیات کا وہ مفہوم صحیح ہوگا جو قرآن کریم کی دیگر آیات کے مطابق ہوگا اور قرآن کی کلی تعلیم کا محور قانون مکافات عمل ہے یعنی انسان کو اس کے اعمال کا نتیجہ ملتا ہے لہٰذا ان آیات کا وہی مفہوم قرآنی تعلیم کے مطابق ہوگا جس میں من یشاء کا فاعل انسان کو تصور کیا جائے گا۔''

اس مقام پر پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں قابل اعتراض ہے کیونکہ جو معنی یہاں پرویز صاحب نے کیا ہے قرآن کے نزول کے بعد سے آج تک کسی نے نہیں کیا بلکہ یہ پرویز صاحب کی اپنی ذہنی اختراع ہے اور ایسا کوئی قاعدہ کلیہ کسی کتاب میں موجود نہیں جس کا ذکر پرویز صاحب عربی قاعدہ کہہ کر کر رہے ہیں درحقیقت یہ پرویز صاحب کی عربی زبان سے ناواقفیت کی کھلی دلیل ہے کیونکہ عربی زبان میں ایسا کوئی قاعدہ نہیں جس کی رو سے دوسرا معنی صحیح ہو مثلاً سورۃ النحل آیت ۹۳ میں ارشاد ہوا:

﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

یہاں اس آیت کا یہ معنی کرنا کہ ''اللہ تعالیٰ اسکو ہدایت سے محروم کرتا ہے جو گمراہی چاہتا ہے اور اسکو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت چاہتا ہے'' ناممکن ہے کیونکہ یہاں یشاء کا فاعل اللہ تعالیٰ کو نہیں بلکہ شخص کو بنایا گیا ہے اور جب یشاء کا فاعل انسان ہوا تو یشاء میں ''ھو'' ضمیر مانی جائے گی جسے یشاء کا فاعل کہا جائے گا اب یہاں یشاء کا فاعل تو موجود ہو گیا لیکن اس کا مفعول موجود نہیں اور جب تک یشاء کا مفعول موجود نہ ہو اس وقت تک پرویز صاحب کا بیان کردہ دوسرا معنی ناممکن ہے یعنی پرویز صاحب کا بیان کردہ دوسرا معنی اس وقت درست ہوگا جب قرآن کے الفاظ یوں ہوں «یضل من یشاء الضلالة ویهدی من یشاء الهدایة» کیونکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پرویز صاحب جب یشاء کا معنی جو ہدایت چاہے اسے ہدایت ملتی ہے اور جو گمراہی چاہے اسے گمراہی ملتی ہے کرتے ہیں تو اس معنی کے اعتبار سے یشاء کے بعد الضلالۃ اور الہدایۃ کے الفاظ ہونا ضروری ہیں پس جب قرآن میں اس قسم کے الفاظ موجود ہی نہیں تو اس طرح کا ترجمہ کرنا قرآن کی تحریف کہلاتا ہے، درحقیقت قرآن کریم میں گمراہی کا فاعل متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کو بنایا گیا ہے لیکن سورۃ الجاثیہ میں اللہ تعالیٰ نے اس نسبت کی وضاحت کر دی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ ﴾ (سورۃ الجاثیہ ۲۳)

''یعنی اللہ نے اس پر اپنے علم کی بنیاد پر گمراہی کا حکم لگایا''۔

لیکن پرویز صاحب نے اس آیت کی بھی تحریف کر ڈالی حالانکہ یہاں لفظ ''یشاء'' بھی موجود نہیں جو پرویز صاحب کے کام آ سکتا ہو چنانچہ مفہوم القرآن میں وہ لکھتے ہیں کہ

''تم نے دیکھا کہ وہ علم و عقل رکھنے کے باوجود کس طرح غلط راستوں پر چلا جاتا ہے اور اس پر جذبات بری طرح غالب آ جاتے ہیں کہ یوں نظر آتا ہے کہ گویا اس کے کانوں اور دل پر مہر لگ چکی ہے''۔ (مفہوم القرآن ۱۱۲۹)

یعنی اگر اس آیت کا وہ ترجمہ ممکن ہوتا جو پرویز صاحب نے کیا ہے تو فتنہ انکار تقدیر کے نائلین میں سے کوئی نہ کوئی اس کو اپنی دلیل ضرور بناتا کیونکہ تقدیر کے انکار کا فتنہ نیا نہیں بلکہ کافی قدیم ہے حتیٰ کہ اہل عرب میں جبریہ اور قدریہ کے نام سے باقاعدہ طور پر فرقے موجود رہے ہیں اس کے باوجود آج تک کسی تقدیر کے منکر عربی عالم نے ''یشاء'' کا وہ ترجمہ نہیں کیا جو پرویز صاحب نے کیا ہے، اس ترجمہ کے ناممکن ہونے کے باوجود اگر بالفرض والمحال یہ ترجمہ صحیح مان بھی لیا جائے تو پھر آیت ﴿واضله الله علی علم﴾ (سورۃ الجاثیہ) کا کیا معنی ہوگا یہاں پر ''من یشاء'' ہے ہی نہیں اور لفظ اضل کا فاعل اللہ موجود ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اللہ نے اس کو اپنے علم کے مطابق گمراہ پایا'' یعنی وہ اللہ کے علم میں ہدایت کے قابل نہیں تھا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس لئے اللہ نے اس پر گمراہی کا حکم جاری کر دیا اس کی توثیق ایک دوسری آیت سے بھی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ (سورۃ الانفال ۲۳)

یعنی ''اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی پاتا تو ان کو قرآن سننے اور سمجھنے کی توفیق عطا کر دیتا اور اگر یونہی ان میں خیر و بھلائی نہ ہونے باوجود ان کو سنواتا تو وہ منہ موڑ کر چلے جاتے''۔

پرویز صاحب کے مذکورہ موقف کا رد اس آیت کریمہ میں بھی موجود ہے، جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا﴾ (سورۃ البقرہ: ۲۶)

یعنی ''اس مثال سے اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو ہدایت سے محروم کرتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت دیتا ہے''۔

یہاں اس آیت میں ﴿یضل به کثیرا و یهدی به کثیرا﴾ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور یہاں کثیرا مفعول بہ ہے، کیا پرویز صاحب یہاں بھی یہی ترجمہ کریں گے، کہ ''اس مثال سے بہت سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے ہدایت پاتے ہیں''۔ حالانکہ یہ ترجمہ کسی طور ممکن نہیں کیونکہ عربی قاعدہ کے اعتبار سے اگر یہ کہنا ہوتا تو الفاظ اس طرح ہوتے ''یہتدی بہ کثیر ویضل بہ کثیر'' یعنی یضل کی ''ی'' پر زبر اور کثیر کی ''ر'' پر پیش اور یھدی کے بجائے یھتدی ہونا چونکہ غیر عرب عوام عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں اس لئے پرویز صاحب نے قرآن کی غلط اور عربی زبان کے قواعد وضوابط کے برعکس تفسیریں کر کے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے جو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## فراخی وتنگی رزق کا مسئلہ:

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ﴾ (سورة الرعد: ٢٦)

اس آیت کا ترجمہ پرویز صاحب نے اس طرح کیا ہے کہ ''جو شخص چاہے اسے رزق کشادہ مل سکتا ہے جو اپنے لئے تنگی چاہے اس کی روزی تنگ کر دی جاتی ہے''

اس آیت کا یہ ترجمہ وتفسیر عربی زبان کے قواعد وضوابط کے قطعی خلاف ہے اور قرآن کے الفاظ کا اس طرح ترجمہ کرنا قرآن کی تحریف ہے کیونکہ خود پرویز صاحب نے لغت القرآن ص ۳۲۰ میں ''بسط'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے ''بسط'' کے معنی ہیں پھیلانا، نشر کرنا، توسیع کرنا اور وسعت دینا، اس اعتبار سے اس آیت کا معنی ہوا کہ اللہ جس کے رزق کو چاہتا ہے وسعت دیتا ہے، پھیلاتا ہے، فراخ کرتا ہے، اس اعتبار سے پرویز صاحب کا ترجمہ قرآن کے بیان کیخلاف اور تحریف ہے کیونکہ عربی لغت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ افعال کا متعدی اور لازم ہونا بھی ہے اور یہاں لفظ ''یبسط'' فعل متعدی ہے مگر پرویز صاحب نے اس کا معنی فعل لازم والا کیا ہے اسی طرح لفظ ''اضل'' فعل متعدی ہے مگر پرویز صاحب نے اس کا معنی بھی لازم والا کیا ہے جو کہ قرآن کی صریح تحریف ہے۔ علاوہ ازیں جس عقل کا منکرین حدیث اتنا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور احادیث کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی بات کرتے ہیں کیا اس عقل کے اعتبار سے یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی روزی تنگ کرنا چاہے، یقیناً اس قسم کی چاہت محال و ناممکن ہے اور جو چیز فطرت انسانی کے خلاف اور ناممکن الوقوع ہو قرآن کس طرح اس کو جائز اور ممکن قرار دے سکتا ہے، درحقیقت یہی وہ تحریف ہے جو یہود ونصاریٰ اپنی کتابوں میں کیا کرتے تھے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾ (سورة النساء ٤٦)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''وہ لوگ بات کو اس کے محل سے ہٹا دیتے ہیں''۔

پرویز صاحب لغات القرآن میں تحریف کی تعریف لکھتے ہوئے خود فرماتے ہیں کہ

''تحریف کے معنی اس طرح کی توجیہ و تاویل کرنا ہیں جس سے اس کی اصل روح جاتی رہے جو دراصل اس کا راس المال ہے، خواہ یہ تحریف الفاظ کے رد و بدل سے ہو یا مفہوم کی تبدیلی سے واقع ہو، اہل کتاب نے اپنی آسمانی کتابوں میں جو تحریف کی ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں فرمایا ''وہ کلمات کو ان کے مقام سے ہٹا دیتے ہیں'' اس سے تحریف لفظی بھی مراد ہو سکتی ہے اور تحریف معنوی بھی''۔ (لغات القرآن ص ۴۸۸ ج ۲)

اب قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ پرویز صاحب کا بیان کردہ مفہوم جو تمام تراجم کے خلاف ہے، تمام متقدمین و متاخرین مفسرین کے خلاف ہے اور سب سے بڑھ کر اس عربی لغت کے بھی خلاف ہے جس کو پرویز صاحب نے اپنے مفہوم القرآن کی بنیاد بنایا ہے اور ایسی صورت حال میں مفہوم القرآن کو اگر تحریف القرآن کہا جائے تو کیا زیادہ بہتر نہیں ہوگا؟ پس قرآن کی مندرجہ ذیل آیت پرویز صاحب کے مفہوم القرآن پر ہی صادق آتی ہے، سورۃ البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾

یعنی ''یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے''۔

یہی کام پرویز صاحب نے بھی کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال کی صحت کو مشکوک قرار دے کر اٹھا پھینکا، مفسرین کو ایک دوسرے کا نقال اور ناقص الفہم قرار دے کر ناقابل اعتبار قرار دے دیا، مغرب زدہ مرعوب ذہنیت کو عقل کی کسوٹی قرار دیا اور عربی زبان سے نابلد معاشرے کو عربی لغت کے فریب میں مبتلا کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ تعجب کی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بات یہ ہے کہ ایک جانب پرویز صاحب قرآن کی لغت لکھتے ہیں اور دوسری جانب جب مفہوم القرآن لکھنے بیٹھتے ہیں تو اسی لغت کی دھجیاں اڑاتے ہیں مثال کے طور پر مفہوم القرآن میں ہر جگہ لفظ ''اضل'' کا معنی ''ضل'' کیا ہوا ہے حالانکہ یہ عربی لغت کے خلاف ہے اور قرآن کی کھلی تحریف ہے۔

ارادہ اور مشیت میں فرق کا بیان:

پرویز صاحب کتاب التقدیر میں صفحہ ۱۹۵ پر لکھتے ہیں کہ:

''مشیت کا معنی ارادہ کرنے کے ہیں بعض متکلمین نے ارادہ اور مشیت کے معنی میں کوئی فرق نہیں کیا ہے لیکن لغت کے اعتبار سے ان دونوں میں فرق ہے، ارادہ فقط کسی بات کے چاہنے کو کہتے ہیں اور جب اس ارادہ کے مطابق وہ بات وجود میں آجائے تو اسے مشیت کہا جاتا ہے اس لئے شیء کسی ارادے کے وجود پذیر شکل کا نام ہے، جب ان الفاظ کو خدا کی طرف منسوب کیا جائے تو ارادہ اور مشیت کے فرق کو ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے''۔

پرویز صاحب اسی عنوان کے تحت مزید لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کریم سورۃ یٰسین میں ہے کہ ﴿اِنَّمَا اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ خدا کا امر یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے، یہاں سے واضح ہے کہ جب ارادہ خداوندی ''فیکون'' وجود میں آجانے کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو اسے مشیت کہا جاتا ہے''۔

پرویز صاحب نے یہاں جو ارادہ اور مشیت کا فرق بیان کیا ہے ہم اس کا جائزہ قرآن کی روشنی میں لیتے ہیں تو پرویز صاحب کی تحقیق کو ناقص پاتے ہیں کیونکہ مذکورہ بالا آیت میں مشیت کا لفاظ نہیں بلکہ لفظ ''شیئا'' ہے جس کا معنی کوئی چیز یا کوئی کام ہے جس کا ہو جانا اللہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تعالیٰ نے مقرر کر لیا ہو لہٰذا اس آیت میں لفظ شیئا کا معنی ''چیز'' اور ''کام'' ہے مشیت ہرگز نہیں، اور اگر بقول پرویز صاحب مشیت وجود پذیر شکل کا نام ہے تو پھر اس فرق کے اعتبار سے سورۃ یسین کی مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ وہ ہو ہی نہیں سکتا جو پرویز صاحب نے کیا ہے یعنی جب ''شیء'' موجود چیز کو کہتے ہیں تو پھر اس چیز کو ''کن فیکون'' کیسے کہا جا سکتا ہے کیونکہ وہ تو پہلے سے ہی موجود ہے پس ارادہ اور مشیت میں فرق ہو یا نہ ہو اس سے اعتقادی مسائل میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا البتہ مشیت اور رضائے الٰہی میں فرق ضرور ہے جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔

عربی اردو لغت کی مشہور کتاب المنجد صفحہ ۵۵۰ پر لکھا ہے:

''الشیء مصدر ہے اس کا معنی ہے چیز، جو چیز جانی پہچانی جا سکے اور جسکی خبر دی جا سکے اور ''الشیء'' شاء کا اسم ہے اور المشیئۃ کا معنی ہے ارادہ''۔

اس سے معلوم ہوا کہ مشیت ارادے ہی کو کہتے ہیں اور لغت کی کتاب قاموس المحیط صفحہ ۱۹ جلد ۱ میں ہے کہ ''شئت، اشاء، شیئا اور مشیئۃ اردتہ کا معنی ہے میں نے اس کو چاہا اس کا ارادہ کیا''۔ یہاں بھی مشیت اور ارادہ کو ہم معنی کہا گیا ہے اسی طرح راغب اصفہانی کی کتاب مفردات الفاظ القرآن الکریم جس کو ہندو پاک میں مفردات فی غریب القرآن کہا جاتا ہے میں ہے:۔

«الشیء قیل هو الذی یصح ان یعلم و یخبر عنه»

یعنی ''شیء اس چیز کو کہتے ہی جس کی خبر دینا درست اور صحیح ہو''۔

اور یہ لفظ علما متکلمین کی اکثریت کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے مابین مشترک ہے نیز یہ لفظ موجود اور غیر موجود دونوں پر بولا جاتا ہے لیکن بعض دیگر علماء کے نزدیک یہ لفظ صرف موجود پر ہی بولا جاتا ہے اور جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ پر بولا جائے تو اس کا معنی ہوگا اس نے چاہا اور جس وقت مخلوق پر بولا جائے تو اسکا معنی ہوگا ''چیز'' اسی دوسرے معنی میں یہ آیت ہے کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



﴿اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (سورۃ الزمر)

یعنی ''اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے''۔

جب کہ مشیت کا لفظ اکثر علماء متکلمین کے نزدیک ارادہ کے معنی میں آتا ہے اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک اس کا اصل معنی ہے کسی چیز کو ایجاد کرنا اور اسے حاصل کرنا ہے اگرچہ عرف عام میں یہ لفظ ارادہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور جب یہ لفظ اللہ کے بارے میں بولا جائے گا تو اس کا معنی کسی چیز کو ایجاد کرنا اور پیدا کرنا ہوگا اور جب انسان کے بارے میں بولا جائے تو اس کا معنی کسی چیز کو حاصل کرنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی چیز کے وجود کو بیان کرتی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ:

« ما شاء الله كان و ما لم يشاء لم يكن »

یعنی ''جس کام میں اللہ کی مشیت ہوتی ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور جس میں مشیت نہیں ہوتی وہ نہیں ہوسکتا''۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ جس چیز کے متعلق ہو اس کا موجود ہونا لازمی اور ضروری بھی نہیں، علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ اللہ کی مشیت ہر حال میں وقوع پذیر ہوتی ہے جب کہ ارادہ ضروری نہیں کہ وقوع پذیر ہو اس کی مثال انہوں نے سورۃ البقرہ کی ایک آیت سے دی جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (سورۃ البقرہ ۱۸۵)

یعنی ''اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے مشکل نہیں چاہتا''

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ تمہارے لئے تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مسلمانوں پر تنگی آتی رہتی ہے حتیٰ کہ صحابہ کرام پر بھی تنگی آئی تھی اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ساتھ جس آسانی کے ارادے کا ذکر کیا ہے وہ بس اوقات

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وقوع پذیر نہیں ہوتا یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو ارادہ اور مشیت کے مابین فرق کے قائل ہیں اور جو ارادہ اور مشیت کے مابین فرق کے قائل نہیں ان کی طرف سے مذکورہ دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس آسانی کا وعدہ کیا ہے وہ دینی احکامات کے بارے میں ہے انسان کے عام حالات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس ضمن میں جو دوسری دلیل ذکر کی جاتی ہے کہ:

﴿ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِلْعِبَادِ ﴾ (سورۃ غافر ۳۱)

یعنی ''اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں''۔

تو یہ بات سب کو معلوم ہے کہ انسان کو تنگی بھی پیش آ جاتی ہے اور لوگوں کے مابین ظلم و فساد بھی ہوتا رہتا ہے چونکہ انسانوں کے افعال کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا لوگوں کا ایک دوسرے پر ظلم وزیادتی یا فساد اللہ ہی کی مشیت وارادہ سے ہوا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں کچھ استثناء بھی ہوتا ہے اور لوگوں کے مابین جو ظلم وفساد ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں بلکہ یہ بندوں کا فعل ہے اور قرآن کی مذکورہ آیت میں اللہ کے بندوں پر ظلم نہ کرنے کا ذکر ہے لیکن بندوں کے بندوں پر ظلم کرنے کی اس میں کوئی نفی نہیں نیز بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور انسان کے ارادہ کے مابین ایک فرق یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ میں مطلق آزاد ہے جب کہ انسان اپنے ارادہ میں مطلق آزاد نہیں یعنی انسان کبھی کبھی ایسا ارادہ کر بیٹھتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ انسان کے ارادہ پر غالب آ جاتا ہے اسی کو مشیت الٰہی کہتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص ارادہ کر بیٹھتا ہے کہ کبھی مرے گا نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ ہر ذی روح کی موت کا ارادہ کر چکا ہے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اس انسان کی مرضی اور ارادہ کے برخلاف اسے موت دے دیتا ہے یعنی انسان کی مشیت اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے بغیر انسان کا اپنے ارادہ کو پائے تکمیل تک پہنچانا ممکن نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ہی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ساتھ اللہ تعالیٰ نے کچھ اصول وضوابط بھی مقرر فرما دیئے ہیں، اگر انسان ان اصول وضوابط کا لحاظ کرتے ہوئے ارادے کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کے ان ارادوں کی تکمیل کا قوی امکان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ﴾

(التکویر: ۲۸)

یعنی ''یہ قرآن جہاں والوں کے لئے نصیحت ہے، اور اس شخص اور قوم کے لئے جو سیدھی راہ پر چلنا چاہے''۔

روایات میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر کفار نے کہا لو ہمارے معاملات تو ہمارے ہاتھوں میں ہیں ہم چاہیں تو سیدھی راہ پر چلیں اور چاہیں تو نہ چلیں، تو کفار کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الدھر کی یہ آیت نازل فرمائی، ارشاد ہوا:

﴿وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (سورۃ الدھر: ۳۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو جواب دیتے ہوئے فرمایا تمہاری اپنی کوئی مشیت نہیں بلکہ تمہاری مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے یعنی ''تم کوئی چیز نہیں چاہ سکتے جب تک اللہ اس چیز کو نہ چاہے'' بعض علماء نے کہا کہ اگر تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقف نہ ہوتے تو انسان کا کسی بھی کام کے معاملے میں انشاء اللہ کہنا درست نہ ہوتا جب کہ قرآن کی تعلیم یہی ہے کہ ہر کام میں ان شاء اللہ کہا جائے، مثلاً سورۃ الکہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ (الکہف: ۲۳)

یعنی ''اے نبی ﷺ آپ کسی کام کے بارے میں یہ نہ فرمائیں کہ میں اس کو کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے''۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے لیکن اگر یہاں مشیت کا معنی ارادہ نہ لیا جائے بلکہ بقول پرویز صاحب شیٔ کسی ارادے کے وجود پذیر شکل کا نام

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے'' تسلیم کرلیا جائے تو اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کام کے ہونے کا فیصلہ کر چکا ہے تو یہ ہوگا ورنہ نہیں ہوگا لیکن پرویز صاحب اس مفہوم کو تسلیم کرنے پر ہرگز راضی نہیں ہو سکتے ورنہ مسئلہ تقدیر پر ان کا موقف اسی ایک ٹھوکر سے زمین بوس ہو جائے گا کیونکہ اس معنی کے لحاظ سے انسان اپنے ارادے اور اختیار سے کچھ بھی نہیں کر سکتا بلکہ انسان سے وہی ہو سکے گا جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر چکا ہے اسی طرح پرویز صاحب نے ارادہ اور مشیت کا جو فرق لکھا ہے ہم اس کو سورۃ الکہف کی ایک دوسری آیت پر منطبق کر کے دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴾ (سورۃ الکھف : ۷۷)

یعنی ''اگر تم چاہتے تو جو تم نے کیا اس پر معاوضہ طلب کر سکتے تھے''۔

یہ آیت سورۃ الکہف میں مذکور موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق ہے جہاں خضر ایک گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیتے ہیں باوجود اس کے اس بستی والوں نے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے ساتھ برا سلوک کیا ہوتا ہے اس پر موسیٰ علیہ السلام قدرے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے خضر سے فرماتے ہیں کہ ''اگر آپ چاہتے تو اس کام کا معاوضہ وصول کر سکتے تھے'' یہاں یہ ترجمہ نہایت واضح اور صحیح ہے لیکن اگر مشیت کا وہ معنی لیا جائے جو پرویز صاحب نے کہا ہے تو اس آیت کا ترجمہ ناممکن ہے کیونکہ ''شیئت'' سے قبل ''لو'' کا لفظ موجود ہے جس کا معنی ''اگر'' ہے اور پرویز صاحب کے بقول ''شیء کسی ارادے کے وجود پذیر شکل کا نام ہے'' اور اصولی طور پر جو چیز وجود میں آ چکی ہو اس کے ''اگر'' کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''اگر میں انسان ہوتا تو فلاں کام کرتا'' تو یہ ایک لغو جملہ ہوگا کیونکہ وہ بطور انسان پہلے ہی وجود میں آ چکا ہے اور معاذ اللہ قرآن کوئی لغو کام نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسی بات کہے جو لایعنی ہو اس لئے مشیت اور ارادے میں فرق قرار دینے کے باوجود پرویز

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



صاحب نے بھی مفہوم القرآن میں اس آیت کا ترجمہ وہی کیا جو دوسروں نے کیا ہے، قرآن کریم میں متعدد مقامات پر انسان کا اپنے اعمال و افعال پر ان شاء اللہ کہنا ثابت ہے مثلاً سورۃ الصافات کی یہ آیت ملاحظہ ہو:

﴿سَتَجِدُنِي اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (سورة الصافات ١٠٢)

یعنی جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے خواب کا تذکرہ اسماعیل علیہ السلام سے کیا تو اسماعیل علیہ السلام نے اس خواب میں دیئے جانے والے حکم کو پورا کرنے اور ذبح ہونے کے لئے تیار ہو گئے اور فرمایا ''اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے''۔

اسی طرح ایک دوسری آیت میں موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا تھا کہ:

﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾

(سورة الكهف ٦٩)

یعنی ''اللہ کی مشیت ہوئی تو آپ مجھے صابر پائیں گے''۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام صبر نہ کر سکے اور خضر سے ان امور پر بار بار استفسار کرتے رہے جو خضر علیہ السلام نے انجام دیئے۔

اسی طرح نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب الٰہی کی جو نوید سنائی اس میں کہا:

﴿يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ﴾ (سورة هود ٣٣)

یعنی ''اللہ نے چاہا تو تمہارے اوپر عذاب ضرور لائے گا''۔

اسی طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین اور بھائیوں سے کہا تھا کہ:

﴿ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾ (سورة يوسف ٩٩)

یعنی ''مصر میں داخل ہو جاؤ اللہ کی مشیت ہوئی تو تم امن سے رہو گے''۔

لیکن بنی اسرائیل مصر میں زیادہ دیر امن سے نہ رہ سکے اور فرعون کے ظلم کا شکار ہوئے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اسی طرح ایک مقام پر نبی کریم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾

(سورۃ اعراف ۱۸۸)

یعنی ''کہہ دیجئے اے نبی ﷺ میں اپنے نفس کے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں مگر اللہ چاہے تو''۔

علامہ راغب اصفہانی نے المفردات میں ''ارادہ'' اور ''مشیت'' کی تعریف میں فرق بیان کیا ہے جسے پرویز صاحب نے من عن نقل کر دیا ہے لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ علامہ راغب اصفہانی اہل سنت کے عقیدہ پر تھے اور انہوں نے صاف طور پر لکھا ہے انسان کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور اس کا ثبوت انہوں نے قرآنی آیت سے پیش کیا ہے، پس معلوم ہوا کہ مشیت اور ارادہ میں جو فرق پرویز صاحب نے روا رکھا ہے وہ محض ان کی اپنی ذہنی اختراع ہے جس کا مقصد انکار تقدیر کے نظریہ کا دفاع اور قرآن کی معنوی تحریف، اس کے علاوہ پرویز صاحب نے ''مشیت'' اور ''ارادہ'' کی تعریف میں جو تفریق کی ہے وہ بھی غلط ہے کیونکہ قرآن میں یہ الفاظ باہم متبادل کے طور پر بھی استعمال ہوئے ہیں مثلاً نوح علیہ السلام کے قصہ میں اللہ فرماتا ہے:

﴿وَ لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ﴾ (سورۃ ھود ۳۴)

یعنی ''میرا تم کو نصیحت کرنا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے''۔

یہاں نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ایک کام کے فیصلہ کر لینے کو لفظ ''ارادہ'' سے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ ومشیت دونوں ہم معنی ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



''لو شاء اللہ کے مفہوم کا تعین:

پرویز صاحب اپنی کتاب التقدیر میں اسی عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''اس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ ''اگر اللہ چاہتا تو'' حالانکہ اس کا صحیح ترجمہ یوں کرنا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس قسم کا قانون مشیت مقرر کر دیتا تو ایسا ہو جاتا، مثلاً اگر کہا جائے کہ نمک نمکین کیوں ہوتا ہے تو اس کا جواب ہوگا کہ خدا کا قانون مشیت یہ ہے کہ نمک نمکین ہو، اگر اس کا قانون مشیت یہ ہوتا کہ نمک میٹھا تو میٹھا ہو جاتا، اگر یہ کہا جائے کہ اگر خدا چاہے تو نمک اب بھی میٹھا ہوسکتا ہے یا نہیں تو اس کا جواب میں کہا جائے گا کہ اگر وہ چاہے تو ایسا ہوسکتا ہے لیکن وہ ایسا چاہے گا نہیں کیونکہ اس نے قوانین مشیت مقرر کر دینے کے بعد خود ہی کہا ہے کہ وہ ان قوانین میں تبدیلی نہیں کرے گا''۔

پرویز صاحب نے یہاں جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قوانین میں تبدیلی نہیں کرے گا اس سے مراد قرآن میں سورۃ الاحزاب کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾

یعنی ''یہ اللہ کی سنت ہے ان لوگوں کے بارے میں جو تم سے قبل گذر چکے ہیں تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے''۔

اس ایک آیت کی بنیاد پر پرویز صاحب نے قرآن کی ان تمام آیات کی معنوی تحریف کی ہے جہاں کسی بھی معجزہ کا ذکر ہے اور انبیاء کرام کے ان تمام معجزات کا کھلم کھلا انکار کیا ہے جو خرق عادت ہے اور کائنات کے عام قوانین کے خلاف ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا مارنے سے سمندر کا پھٹ جانا، عیسیٰ علیہ السلام کا مردے کو زندہ کر دینا، ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا ٹھنڈا ہو جانا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر چاند کا ٹکڑے ہو جانا وغیرہ وغیرہ حالانکہ مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ کی صرف اس سنت کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعے دین کا راستہ روکنے والے ملعونین کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اللہ تعالیٰ اپنے راستے سے ہٹا دیتا ہے لیکن پرویز صاحب نے اپنے خود ساختہ تصور تقدیر کو تقویت پہنچانے کے لئے اس آیت کا سہارا لے کر قرآن کریم کی متعدد آیات کا انکار کیا۔

پس پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بنائے ہوئے قوانین کو کبھی نہیں بدلتا قطعی طور پر غلط ہے بلکہ صحیح تر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بنائے ہوئے قوانین کو جب چاہے تبدیل کر سکتا ہے اور تبدیل کرتا بھی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ انسان ایک مرد اور ایک عورت کے اختلاط سے پیدا ہو لیکن آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے جب کہ حوا علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ نے صرف مرد یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے پیدا کیا اور یحییٰ علیہ السلام کو بوڑھے باپ اور بانجھ ماں سے پیدا کیا، یہ سب مثالیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے قوانین کو جب چاہتا ہے تبدیل کرتا ہے اسی کو عرف عام میں معجزہ یا خرق عادت کہا جاتا ہے یعنی وہ بھی اللہ کا قانون ہے اور یہ بھی اللہ ہی کا قانون ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسئلہ تقدیر سے متعلق احادیث میں یہ بات صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہونے والا تھا وہ سب لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا تھا یعنی تمام معجزات اور خرق عادت امور بھی پہلے سے لکھے ہوئے تھے اس اعتبار سے تمام معجزات بھی قانون الٰہی کا ایک حصہ ہوئے مزید برآں پرویز صاحب نے ''مشیت'' کو ناقابل تبدیل بتایا ہے وہ غلط اور قرآن آیات کے خلاف ہے اسی طرح لفظ ''لو'' کا جو مفہوم کتاب التقدیر میں لکھا ہے کہ ''لو'' کے معنی ہیں اب یہ بات کبھی نہیں ہوگی'' قرآنی آیات کے سراسر خلاف ہے۔

## قانون مشیت یا تقدیر:

پرویز صاحب اپنی کتاب التقدیر میں صفحہ ۱۹۴ پر قانون مشیت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

''اگر کوئی پوچھے کہ خدا نے سلسلہ کائنات کو کیوں اور کس طرح بنایا تو اس کا جواب اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے سوا کچھ نہیں دیا جا سکتا کہ خدا نے اپنی مرضی سے جس طرح چاہا بنا دیا اس مقام پر مشیت خداوندی ہمارے تصورات کے مطابق کسی قاعدہ اور قانون میں جکڑی ہوئی نہیں ہوتی ، یہ خدا کا عالم امر ہے جہاں ہر شی اس کی اسکیم کے مطابق وجود میں آتی ہے یعنی اس کی تخلیق کا آغاز ہوتا ہے اس کے لئے قوانین مقرر ہوتے ہیں ۔ یہ سب خدا کے اقتدارِ مطلق کی رو سے ہوتا ہے ، یہی قوانین عالم خلق میں کارفرما ہیں ، اگر کوئی پوچھے کہ پانی نشیب کی طرف کیوں بہتا ہے ، آگ حرارت کیوں پہنچاتی ہے ، سنکھیا مہلک کیوں ہے تو اس کے جواب میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا جائے گا خدا کی مشیت ہی ایسی تھی یعنی یہ سب کچھ ان قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو مشیت خداوندی کی رو سے عالم امر میں مقرر ہوئے تھے"۔

یہاں پرویز صاحب نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ کائنات جس طریقہ پر چل رہی ہے یہ مشیت خداوندی ہے جیسا کہ پانی کا نشیب کی طرف بہنا ، آگ کا حرارت پہنچانا ، سورج کا مشرق سے نکلنا اور مغرب میں غروب ہونا اور چاند کا اپنی منزلیں طے کرنا وغیرہ یعنی پرویز صاحب نے کائنات کے جس نظام کو مشیت خداوندی سے تعبیر کیا ہے اسی کو اہل سنت کی اصطلاح میں تقدیر کہا جاتا ہے ، جس طرح بقول پرویز صاحب ایک بچہ ماں کے بطن میں قانون مشیت کے مطابق پرورش پاتا ہے پھر پیدا ہونے کے بعد قانون مشیت کے مطابق اپنی عمر کی منزلیں طے کرتا ہوا اپنی مقررہ عمر کو پہنچ کر دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر جاتا ہے تقدیری امور میں سے ہے اسی طرح اپنی زندگی کے دوران انسان جو اعمال کرتا ہے اہل سنت کے نزدیک وہ بھی تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے علم کی بنیاد پر تمام انسانوں کے ہر عمل سے اس وقت بھی واقف تھا جب انسان پیدا بھی نہیں ہوا تھا اور اپنے اسی علم کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے بارے میں اس کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے اور اب اگر انسان کتاب مکنون میں لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق اعمال کرتا ہے تو اس سے جبر کہاں لازم آتا ہے بلکہ پرویز صاحب نے مشیت کی جو تعریف کی ہے کہ "ارادہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے مطابق جب کوئی چیز وجود میں آ جائے تو اسے مشیت کہتے ہیں'' اس اعتبار سے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق ہر انسان کا مومن یا کافر ہونا، شقی یا سعید ہونا اور جنتی یا جہنمی ہونا لکھ دیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق کتاب مکنون وجود میں آ چکی تو پھر لازمی طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مومن یا کافر ہے بصورت دیگر یہ نتیجہ نکلے گا کہ معاذ اللہ علم الٰہی ناقص ہے اور کوئی چیز اللہ کے علم سے باہر بھی ہو سکتی ہے، پس اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کسی انسان کا ایمان لانا یا کفر کرنا قطعی طور پر ناممکن ہے ورنہ یہ عقیدہ کہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی انسان ایمان لا سکتا ہے یا کفر کر سکتا ہے صریح طور پر توحید کے منافی ہوگا کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوگا کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر بھی کچھ ہو سکتا ہے اور کوئی بھی صحیح العقیدہ مسلمان اس نظریہ کو تسلیم نہیں کر سکتا خواہ اس کا تعلق کسی بھی مکتب فکر سے ہو، نیز یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جو انسان کفر کرتا ہے اس کو کفر کے اختیار کرنے کا اختیار کس نے دیا، اس کو بتوں کی عبادت کرنے کی توفیق کس نے دی جن پاؤں سے چل کر اس نے بتوں کی عبادت کی وہ پاؤں کس نے دیئے جن ہاتھوں سے اس نے بتوں کو بنایا کھڑا کیا اور سجدہ کیا وہ ہاتھ اور سر کس نے دیئے، کیا اللہ ان کو روکنا چاہتا تو روک نہیں سکتا تھا، اگر پرویز صاحب کا جواب یہ ہے کہ روک سکتا تھا تو پھر سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں روکا اور جب باوجود طاقت کے ان کو اللہ تعالیٰ نے شرک و کفر سے نہیں روکا تو ظاہر ہے کہ ان کو شرک و کفر کرنے کی خود اجازت دی اور جب ایسا ہے تو پھر یہ کہنا کچھ غلط نہ ہو کہ کفر و شرک اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے اور قرآن مجید میں اس بات کی شہادت موجود ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف میں فرمایا:

﴿ وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾

یعنی ''اے نبی کہہ دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے''۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس آیت میں اس بات کی پوری وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے لوگوں کا ایمان لانے یا نہ لانے کی پوری آزادی ہے لیکن وہ اس آزادی کو کس طرح استعمال کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کائنات کے پیدا کرنے سے قبل ہی موجود ہے لہٰذا قیامت تک آنے والے انسانوں میں سے کوئی بھی شخص جو عمل کرے گا اس کا وہ عمل نوشتہ تقدیر کے عین مطابق ہی ہوگا اور پیدائش سے لے کر موت تک جو حالات بھی اسے پیش آئیں گے وہ تمام بھی اسی کتاب مکنون میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس بات کو ایک آسان مثال سے اس طرح سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک استاد جو بچوں کو پڑھاتا ہو وہ بخوبی جانتا ہے کہ اس کے زیر تعلیم بچوں میں سے کون جماعت میں اول آئے گا، کون پاس ہوگا اور کون فیل ہوگا لیکن اس استاد کے اندازہ کے صحیح ثابت ہونے پر کوئی یہ نہیں کہتا کہ بچوں کو محنت کرنے اور امتحان دینے کی کیا ضرورت تھی یہ نتیجہ تو پہلے ہی سے معلوم تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ہر انسان کے بارے میں علم ہے بلکہ اس سے ہزار اور لاکھ گنا زیادہ علم ہے جتنا ایک استاد کو ہو سکتا ہے نیز اللہ تعالیٰ کا اندازہ کبھی غلط بھی نہیں ہو سکتا، یعنی کسی بھی انسان کا ماضی، حال اور مستقبل بیک وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے ہوتا ہے خواہ وہ انسان ابھی پیدا بھی نہ ہوا ہو اس صورت میں ہر انسان کے بارے میں اس کی پیدائش سے قبل ہی جنت یا جہنم کا فیصلہ صادر ہو جانا اتنا ہی صحیح ہے جتنا ایک عدالت کا جرم ہو جانے کے بعد اور مجرم پر جرم ثابت ہو جانے کے بعد سزا کا فیصلہ سنانا صحیح ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ صحیح ہوتا ہے کیونکہ عدالت فیصلہ سنانے میں غلطی کر سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہر غلطی سے مبرا اور خطا سے پاک ہے، پس اللہ تبارک وتعالیٰ کا کسی چیز یا شخص کے مستقبل کے بارے میں پیشگی فیصلہ کر دینا قطعاً غلط نہیں اور اسی چیز کا نام تقدیر یا قضا وقدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی شخص کے بارے میں جاننا کہ وہ کافر پیدا ہوگا اور کافر ہی مرے گا یا اس کے خلاف مسلمان پیدا ہوگا اور مسلمان ہی مرے گا یا مسلمان پیدا ہوگا اور کافر ہو کر مرے گا یا کافر پیدا ہوگا اور مسلمان ہو کر مرے گا وغیرہ اور اپنے اس علم کے مطابق اللہ تعالیٰ کے یہ لکھ بھی دیا ہو تو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس سے کون سا محال لازم آ جائے گا نیز اگر کسی کا کافر کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت سے نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو کیوں پیدا کیا اور اس کو لوگوں کے گمراہ کرنے کی اجازت کیوں دی ؟ پرویز صاحب لغات القرآن ص ۹۹۱ ج ۲ میں لکھتے ہیں کہ ''یھدی من یشاء'' کے معنی اگر یہ کئے جائیں کہ ''اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے'' تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی طرف سے رہنمائی اس کے قانون مشیت کے مطابق ملتی ہے یعنی من یشاء کے معنی قانون مشیت کے ہوں گے پرویز صاحب نے یہاں جس چیز کو قانون مشیت کہہ کر تسلیم کیا ہے اسی چیز کو اہل سنت تقدیر کہتے ہیں گویا اب یہاں صرف لفظی فرق رہ گیا یعنی پرویز صاحب تقدیر کو قانون مشیت کہہ کر پکارنا چاہتے ہیں اور چونکہ انہیں قرآن حدیث کی اصطلاحات سے چڑ ہے اس لئے وہ ایک نئی اصطلاح ایجاد کر کے لوگوں کو بے وقوف بنانا چاہتے ہیں۔

## انسان کے اندر نیکی اور بدی میں تمیز کی استعداد

پرویز صاحب لغات القرآن میں لفظ ''الھم'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''قرآن کریم سورۃ الشمس میں نفس کے متعلق ہے ''فالھمھا فجورھا وتقواھا'' اس کے عام طور پر معنی کئے جاتے ہیں ''اللہ نے فطرت انسانی کے اندر نیکی اور بدی، خیر و شر، حق و باطل کی تمیز کی استعداد رکھ دی ہے''۔ یہ معنی بوجوہ غلط ہیں کیونکہ کائنات میں انسان کے علاوہ ہر شی کو بطور جبلت اس راستہ کی رہنمائی کی گئی ہے جس پر اس کو چلنا ہے مثلاً پانی کی فطرت میں ہے کہ وہ نشیب کی طرف بہتا ہے، بکری کی جبلت میں ہے کہ وہ گھاس کھائے اور گوشت سے پرہیز کرے اگر انسان کے اندر بھی اسی طرح خیر و شر کی تمیز رکھ دی جاتی تو ہر انسان ایک ہی راستہ پر چلتا جس طرح بکری گھاس ہی کھاتی ہے اور اس میں اس کے اختیار اور ارادے کا کوئی دخل نہیں ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صورت حال ایسی نہیں یعنی ہر انسان ایک ہی راستہ پر نہیں چلتا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق اور باطل کی تمیز انسان کے اندر داخل نہیں کی گئی، بلکہ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ انسان کی تخلیق اس انداز سے کی گئی ہے کہ اس کے اندر وہ قوتیں بھی رکھ دی گئی ہیں جن کی رو سے یہ اس انتشار سے محفوظ رہ سکتی ہیں، یہ نفس کی کیفیات ہیں اس لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس انسانی میں ہر دو ممکنات رکھ دیئے گئے ہیں اس کے بعد انسان کے اپنے اختیار کی بات ہے کہ وہ ان ممکنات یا مضمر قوتوں کو نشو ونما دے کر انہیں کس راستے پر صرف کرتا ہے وہ ان سے اپنی ذات کی نشو ونما کا کام لیتا ہے یا اس کی تخریب کاری اور تدسیہ کا''۔

پرویز صاحب کی یہ عبارت ان کے اپنے موقف کے بالکل خلاف جاتی ہے، بقول پرویز صاحب انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک خیر کی اور دوسری شر کی اور انسان اپنی مرضی سے ان دونوں قوتوں میں سے ایک بروئے کار لاتا ہے، پرویز صاحب کا یہ موقف اس وقت درست ہوسکتا ہے جب انسان کے اندر ان دونوں قوتوں کے درمیان تمیز وتفریق کرنے کی صلاحیت ہو اور اس کے اندر ایسی قوت موجود ہو جس سے وہ پہچان سکے کہ اس کے لئے فلاں چیز خیر اور فلاں چیز شر ہے، قرآن کریم کی مذکورہ آیت کا یہی معنی ومفہوم ہے مگر پرویز صاحب نے اس بات کی نفی کر دی اور صاف صاف لکھ دیا کہ اس آیت کا یہ معنی بوجوہ غلط ہے اور پھر غلط کی جو وجہ یہاں بیان کی ہے اس میں انسان اور حیوان، انسان و جمادات کے مابین جو فرق ہے اس کو وجہ اعتراض قرار دیا یعنی انسان کے برعکس حیوان ایک مقرر راستے اور خط پر چلتے ہیں جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس سے ادھر ادھر ہونے کی طاقت نہیں مگر انسان خود مختار پیدا کیا گیا ہے وہ حیوانوں کی طرح کسی خاص راستے اور خط پر چلنے کا پابند نہیں ہے وہ ان دو راستوں میں سے ایک راستہ اپنی خوشی اور مرضی سے منتخب کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے اندر خیر وشر کے مابین تمیز کی طاقت موجود ہے پرویز صاحب کی یہ دوسری بات ان کی پہلی بات کی نفی کرتی ہے، پرویز صاحب کی پہلی بات کہ ''انسان میں حق و باطل کے مابین تمیز کی طاقت موجود نہیں'' یہ موقف قرآنی آیت ﴿ فالهمها فجورها و تقواها ﴾ کے صریح خلاف

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے اور خود پرویز صاحب کے اگلے موقف کی نفی بھی از خود ہوتی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ ''نفس انسان میں ہر دو ممکنات رکھ دیئے گئے ہیں اس کے بعد انسان کے اپنے اختیار کی بات ہے کہ وہ ان ممکنات یا مضمر قوتوں کو نشوونما دے کر انہیں کس راستے پر صرف کرتا ہے'' پرویز صاحب یہاں جن دو ممکنات کا ذکر کر رہے ہیں انہیں کو حق و باطل کہا جاتا ہے اور جن قوتوں کو نشوونما دینے کی بات کر رہے ہیں وہ خیر و شر میں تمیز کی قوتیں ہی کہلاتی ہیں اس کے بعد صرف یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ ان قوتوں میں سے کوئی ایک قوت دوسری قوت پر غالب کب اور کیسے آتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق جس کی تقدیر میں ہدایت لکھی ہے اس کے لئے ہدایت کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں اور جس انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو ازل سے علم تھا کہ وہ گمراہی قبول کرے گا اس کے لئے گمراہی کے راستے کھول دیئے جاتے ہیں یا آسان کر دیئے جاتے ہیں جن پر چل کر وہ جہنم تک پہنچ جاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو اس بات کی قطعی کوئی حاجت نہیں کہ وہ کسی انسان کو جنت یا جہنم میں داخل کرنے کے لئے لازمی طور پر دنیا میں پیدا کرے پھر اس کے اعمال کو دیکھے اور اس کے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ کرے اس کے بجائے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی بھی روح کو دنیا میں بھیجے بغیر ہی محض اپنے علم کی بنیاد پر جنت یا جہنم میں داخل کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کسی انسان کے بارے میں یہ فیصلہ قطعی طور پر منصفانہ اور درست ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ العلیم ہے اور وہ بخوبی جانتا ہے کہ کون دنیا میں جانے کے بعد کیا کرے گا۔

اسی سبب ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بلوغت سے قبل فوت ہونے والے افراد کو جنتی کہنے سے منع فرمایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ فوت ہونے والا انسان اگر زندہ رہتا تو کس طرح کا عمل کر کے موت سے ہمکنار ہوتا مزید برآں صحیح اسلامی عقیدہ کے مطابق ہر قوت خواہ وہ خیر پر مشتمل ہے خواہ شر پر اس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس لئے ان دونوں قوتوں میں سے جو قوت انسان پر غالب آجاتی ہے اس کو غالب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



لئے یہ کہنا کہ طاقت ور قوت کو انسان خود طاقت ور بناتا ہے اور کمزور قوت کو انسان خود کمزور کرتا ہے عقیدہ توحید کے منافی ہے اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا﴾ (سورۃ الشمس ۱۰۔۷)

یعنی ''قسم ہے نفس کی اور اس کے بنانے اور سنوارنے والے کی، پھر اس نے اس نفس کو فرمانبرداری اور نافرمانی دونوں باتیں سمجھا دیں، بے شک کامیاب وہ شخص جس کو اللہ نے پاکیزہ کر دیا اور نقصان میں ہوا وہ شخص جس کو رب تعالیٰ نے ہدایت سے محروم کر دیا''۔

یہاں ''دساھا'' کا معنی پرویز صاحب نے کیا ہے ''اس کو دبا دیا'' یعنی اس کو ضعیف و ناتواں کر دیا حالانکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس کے تزکیہ اور تدسیہ کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ آیت انسان کے مکمل طور پر با اختیار ہونے کی نفی کرتی ہے لیکن پرویز صاحب اور ان کے ہمنوا اس آیت کا یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ'' کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ کر لیا اور خسارہ میں ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو دبا دیا''۔

حافظ ابن کثیر نے ان دونوں ترجموں کو صحیح کہا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی انسان اللہ کی توفیق کے بغیر خود بخود ہدایت حاصل کر سکتا تو اس کو اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ نماز کے اندر سورۃ فاتحہ کے ذریعہ ہدایت طلب کرنے کا حکم بھی نہ دیتا نیز اگر ہر شخص حق و باطل میں بذریعہ عقل تمیز کر سکتا تو انبیاء کرام کے سلسلہ کی قطعی کوئی ضرورت نہیں تھی اس کے برائے صرف کتاب نازل کر دی جاتی اور لوگ اس پر عمل کر لیا کرتے۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ ہدایت و ہدایت سے محرومی دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت سے محروم کرتا ہے اور اس ہدایت پانے وہدایت سے محرومی کی بنیاد اللہ کا علم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے کو محیط ہے۔

خیر وشر کی قوتوں پر اختیار کا مسئلہ:

تفسیر ابن کثیر میں سورۃ الشمس کی مذکورہ بالا آیت ﴿ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴾ کے ضمن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو یہ بات بتا دی ہے کہ یہ اس کے لئے خیر ہے اور یہ اس کے لئے شر ہے''۔

امام مجاہد، قتادہ، ضحاک اور امام ثوری رحمہم اللہ نے اس آیت کی بھی یہی تفسیر کی ہے اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے اس آیت کی وضاحت سورۃ الدہر کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے ﴿ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴾ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی اچھائی اور برائی سمجھا دی ہے، ائمہ تفسیر میں سے عکرمہ، عطیہ، ابن زید اور مجاہد سے یہی منقول ہے اسی کی تائید سورۃ فصلت کی آیت ﴿ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى ﴾ یعنی ہم نے قوم ثمود کو سیدھی راہ بتا دی تھی مگر انہوں نے ہدایت سے اندھے رہنا پسند کیا، اسی طرح کی بات سورۃ البلد میں کہی گئی کہ ﴿ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴾ یعنی ہم نے انسان کو خیر وشر دونوں راستے بتا دیئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اندر خیر وشر کی قوتیں برابر کی سطح پر موجود ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا انسان خیر کی قوت کی شر کی قوت پر غالب کر کے بروئے کار لا سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے ایسا کرنا ذاتی طور پر ممکن نہیں بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ سے اس کام میں مدد کی ضرورت پڑتی ہے، علمائے اہل سنت نے لکھا ہے کہ انسان شرعی امور کا اس وقت مکلف ہوتا ہے جب کسی شرعی کام کے انجام دینے کے لئے اس میں ظاہری استطاعت موجود ہو اس ظاہری استطاعت سے مراد انسان کا روبصحت ہونا، عاقل و بالغ ہونا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اور شرعی امور کے انجام دینے کے لائق ہونا اس قسم کی ظاہری استطاعت اس بات کے لئے کافی ہے کہ انسان کو شرعی امور پر عمل کرنے کی دعوت دی جائے جیسا کہ حج کے لئے قرآن نے استطاعت کو شرط قرار دیا ہے۔ اس قسم کی استطاعت کو علماء اہل سنت استطاعت قبل الفعل کہتے ہیں اسی قسم کی استطاعت کے بارے میں قرآن نے کہا کہ ''اللہ کی کو اس کی استطاعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا'' اس ظاہری استطاعت کے باوجود کسی عمل کے انجام دینے کے لئے ایک اور استطاعت کی ضرورت پڑتی ہے جسے اہل علم استطاعت مع الفعل کہتے ہیں اور اسی استطاعت کو توفیق الٰہی بھی کہا جاتا ہے اس کے بغیر کوئی انسان نیکی کا عمل نہیں کر سکتا، سورۃ الاعراف آیت ۴۳ میں اسی توفیق کا ذکر ہے فرمایا:

﴿ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ﴾

''یعنی جنتی کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو ہدایت بخشی اگر وہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہدایت پانے والے نہ تھے''۔

یعنی مومن کو عمل کرتے وقت جو توفیق نصیب ہوتی ہے جس کے باعث وہ اس عمل کو بحسن وخوبی انجام تک پہنچاتا ہے اسے استطاعت مع الفعل کہتے ہیں اس استطاعت کا سوال ہر مسلمان نماز میں ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴾ کہہ کر کرتا ہے یہاں لفظ ''اہدنا'' میں جس ہدایت کی دعا کی جاتی ہے وہ عام ہدایت نہیں کیونکہ عام ہدایت تو ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو حاصل ہوتی ہے اس لئے یہاں مخصوص ہدایت کا سوال ہے جو صرف مومنین کو عنایت ہوتی ہے اسی طرح یہ استطاعت مع الفعل سلب بھی کی جا سکتی ہے جیسا کہ قرآن کریم سورۃ یونس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے بارے میں بددعا نقل کی ہے کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



﴿وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾

(سورۃ یونس ۸۸)

''یعنی موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو مال و دولت عطا کیا ہے جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، اے اللہ تو اس کا مال برباد کر دے اور اس کا دل سخت کر دے تا کہ وہ ایمان نہ لائے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا قبول کر لی جو اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے دل سخت کر دیتا ہے پھر وہ دل ایمان کے قابل نہیں رہتے یعنی اگر ایسی بات نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ کسی کے دل کو سخت نہ کرتا تو موسیٰ علیہ السلام یہ دعا نہ کرتے یعنی فرعون نے جب استطاعت قبل الفعل سے فائدہ اٹھا کر ہدایت کے راستے پر قدم آگے بڑھانے کا آغاز نہیں کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں آگے بڑھتا چلا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی اور فرعون کی استطاعت مع الفعل سلب کر لی گئی۔

## ہدایت کی تین اقسام:

اہل سنت علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح استطاعت دو قسم پر ہے اسی طرح ہدایت بھی تین اقسام پر ہے،

اولاً: صرف صحیح راستے کی نشاندہی کر دینا بھی ہدایت کہلاتا ہے۔

ثانیاً: ہاتھ پکڑ کر صحیح راستہ پر کھڑا کر دینا بھی ہدایت کہلاتا ہے۔

ثالثاً: راستے پر چلا کر منزل مقصود تک پہنچا دینا بھی ہدایت کہلاتا ہے۔

قرآن کریم میں یہ تینوں معنوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (سورۃ الشوریٰ: ۵۲)

یعنی ''اے نبی ﷺ! بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں، اس اللہ کے راستے کی طرف جس کی ملکیت آسمان اور زمین ہیں''۔

یہاں لفظ ''لَتَهْدِيْ'' راستہ دکھانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن اس سے مراد راستہ پر لا کھڑا کرنا یا منزل مقصود تک پہنچانا نہیں ہے۔ سورۃ القصص آیت ۵۶ میں فرمایا کہ:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾

یعنی ''اے نبی ﷺ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ جسے چاہے ہدایت دے سکتا ہے اور وہ ہدایت کے مستحقین کو بخوبی جانتا ہے''۔

یہاں ہدایت سے مراد ہدایت کے راستہ پر لا کھڑا کرنا ہے اس لئے نبی کریم ﷺ سے اس کی نفی کی گئی ہے یعنی ان دونوں آیتوں میں باہم کوئی تعارض نہیں بلکہ ہدایت کی دو مختلف سطحوں کا بیان ہے ایک محض راستہ دکھا دینا جو نبی کا منصب ہے اور دوسرے راستہ پر لا کھڑا کرنا جو صرف اللہ تعالیٰ کا اختیار ہے اور منزل مقصود تک پہنچانا بھی اللہ کی جانب ہے اس لئے ہر نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے ہم ﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ کہتے ہیں اور یہاں سورۃ الفاتحہ کی مذکورہ میں لفظ ''اِهْدِنَا'' سے تیسرا معنی مراد ہے یعنی انسان دعا کرتا ہے کہ اے اللہ سیدھی راہ پر چلا کر ہمیں منزل مقصود تک لے جانا کیونکہ پہلے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے وہ سیدھی راہ پر چل کر مسجد تک آ چکا ہے لہٰذا اب نماز میں ہدایت کی دعا کا مقصد منزل مقصود تک پہنچنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا، پس معلوم ہونا چاہئے کہ ایک ہی لفظ قرآن کریم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں متعدد مقامات پر مختلف معنوں میں استعمال ہوسکتا ہے لیکن پرویز صاحب نے اس اصول کو نہیں سمجھا اور ہر مقام پر لفظ ''ہدایت'' کا ایک ہی مفہوم اخذ کیا اس لئے پرویز صاحب نے یہ لکھ دیا کہ قرآنی آیات میں بظاہر تضاد پایا جاتا ہے اور اس تضاد کو رفع کرنے کے لئے انہوں نے تصریف آیات کا سہارا لیا اور تصریف آیات کا مطلب یہ سمجھا کہ وہ آیات جن کا مضمون پرویز صاحب کی عقل کے خلاف ہے ان کا مفہوم ان دیگر آیات کے تابع کر دیا جائے جن کے مفہوم کو پرویز صاحب کی عقل تسلیم کرتی ہے اس طرح پرویز صاحب نے پورے قرآن کی معنوی تحریف کر ڈالی۔

## اللہ تعالیٰ کا قانون استدراج:

سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل ۱۶)

یعنی ''جب ہم کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اس کے کھاتے پیتے لوگوں کی مالی مدد کرتے ہیں جس سے وہ دنیا میں فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں پھر ان کے اوپر ہمارا عذاب بھیجنا ثابت ہو جاتا ہے اور ہم ان کو ملیا میٹ کر دیتے ہیں''۔

پرویز صاحب لغات القرآن میں صفحہ ۲۵۶ جلد ۱ پر لفظ ''امر'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''سورۃ بنی اسرائیل میں جہاں لفظ ''اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا'' آیا ہے تو اس کے معنی ہیں ہم مترفین کو کثرت سے مال و دولت دیتے ہیں اور یہ مترفین کون لوگ ہیں اس کی تشریح کرتے ہوئے پرویز صاحب ''ترف'' کے عنوان سے لغات القرآن میں صفحہ ۳۷۸ پر لکھتے ہیں ''اترف فلاں یعنی اس نے سرکشی اختیار کر لی اور نافرمانی میں بڑھتا چلا گیا'' اس کے بعد پرویز صاحب نے لکھا ہے دیکھئے قرآن کہتا ہے کہ:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ﴾ (سورۃ سبا ۳٤)

یعنی ''ہم نے کسی بستی میں کوئی نذیر نہیں بھیجا جس کے مترفین نے یہ نہ کہا ہو کہ جو پیغام تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر اور مخالف ہیں پھر اگلی آیت میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

﴿وَ قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا﴾ (سورۃ سبا ۳۵)

یعنی ''وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس مال و دولت اور افراد خاندان بڑی کثرت سے ہیں اس لئے ہم کو کون ہاتھ لگا سکتا ہے (اس کی چند سطریں بعد پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ) یہ سب مترفین ہیں جنہیں قرآن انسانیت کے بدترین دشمن قرار دیتا ہے''

پرویز صاحب کے اپنے اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ مجرمین کو مزید دین سے دور کرنے اور دنیا میں فتنہ وفساد پھیلانے کے لئے ہی مال و دولت و اقتدار عطا کرتا ہے یہی ہے اللہ تعالیٰ کا وہ امر جس کو اہل سنت وقدر اور تقدیر کہتے ہیں اسی معنی میں قرآن کی یہ آیت بھی ہے کہ:

﴿وَ یَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ ۱۵)

یعنی ''اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیتا ہے''۔

پرویز صاحب نے لغات القران میں صفحہ ۱۵۳۰ پر لفظ ''مد'' کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اس کے معنی ہیں مہلت دینے اور دور تک لے جانا'' قرآن کی اصطلاح میں استدراج کہلاتا ہے اور اسی معنی میں قرآن کی یہ آیت بھی ہے کہ:

﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ (مریم: ۷۵)

پرویز صاحب نے لغات القرآن میں اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ''کہو جو کوئی گمراہی میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



رہے تو رحمٰن اس کے لئے مہلت کا عرصہ لمبا کرتا چلا جائے گا۔

ان دونوں آیتوں میں لفظ ''یَمُدُّ ھُمْ'' اور ''فَلْیَمْدُدْ'' کا مادہ اور مصدر لفظ ''مدّ'' ہے اس لئے پرویز صاحب نے ان دونوں آیتوں کو اسی مدد کے لفظ کے تحت ذکر کیا ہے اس اعتبار سے سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ ہوا ''اللہ تعالیٰ ان کو گمراہی میں ڈھیل دیتا ہے'' جس سے وہ یہ سمجھ کر سرکشی میں بڑھ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے اسی کو استدراج کہتے ہیں اور قرآن کریم میں ''مکر'' کا بھی انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں فرمایا کہ:

﴿ وَ مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ استدراج، مکر، مجرمین کی مدد اور ڈھیل دینے کی معنی کے ساتھ یہ سب قوانین ہیں جن کو پرویز صاحب قوانین فطرت کہتے ہیں اور ان میں تبدیلی کے پرویز صاحب قائل نہیں۔

''فمن شاء'' کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے:

سورۃ الکہف کی آیت ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ ﴾ کی تشریح تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم اور تفسیر ابن المنذر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس طرح منقول ہے کہ:

«عن ابن عباس فی قوله : فمن شاء فليؤمن و من شاء فليكفر يقول من شاء الله له الايمان آمن ومن يشاء الله له الكفر كفر ، وهو قوله وما تشاءون الا ان يشاء الله رب العالمين » (تفسير ابن ابی حاتم)

یعنی اس آیت کا یہ معنی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے جس شخص کے لئے ایمان چاہا وہ ایمان لائے گا اور جس کے لئے کفر چاہا وہ کفر کرے گا'' اسکی تفسیر دوسری آیت میں یوں ہے کہ تم کوئی چیز نہیں چاہ سکتے جب کہ اللہ اس کو تمہارے لئے نہیں چاہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اہل علم نے لکھا ہے کہ اللہ کی مشیت اور رضا میں فرق ہے مشیت الٰہی میں اسلام اور کفر دونوں شامل ہیں جب کہ اللہ کی رضا میں کفر داخل نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ الزمر میں فرمایا کہ:

﴿ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ﴾

یعنی ''اگر تم کفر کرو تو اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں مگر وہ اپنے بندوں سے کفر کو پسند نہیں کرتا''۔ (الزمر: ۷)

لیکن کفر اللہ کی مشیت سے خارج نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی کفر کرے تو کہا جائے گا کہ اللہ نے اس کو کفر کرنے کی چھوٹ دی تب اس نے کفر کیا یعنی اگر اللہ اپنی مشیت سے کفر کی اجازت نہ دے تو کوئی انسان کفر نہیں کر سکتا اس اعتبار سے ابن عباس نے ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ کی جو تفسیر کی وہ صحیح ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر نہ ایمان لا سکتا ہے اور نہ ہی کفر کر سکتا ہے لیکن اگر کسی شخص کو کفر پر موت آئے تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ کی مرضی یہی تھی کیونکہ مرضی کا تعلق رضا سے ہے اور اللہ تعالیٰ کفر پر راضی نہیں ہے یہاں لوگ سوال کرتے ہیں کہ جب انسان کا کفر اللہ کی مشیت سے ہے تو پھر اللہ تعالیٰ انسان کو جہنم میں کیوں ڈالے گا؟

اسکا جواب اس آیت میں ہے:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ﴾ (سورۃ البقرہ ۱۶)

یعنی ''اللہ کے کفر چاہنے یا اللہ کی مشیت سے فلاں نے کفر کیا ہے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کفر کرنے کی اجازت دی جیسے اس کو اسلام لانے کی اجازت دی پھر اس نے اپنی مرضی و اختیار و خوشی سے اسلام کو چھوڑ کر کسی جبر و اکراہ کے بغیر کفر کا راستہ اختیار کیا یعنی ''یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے'' اس لئے یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تقدیر کے بارے میں وارد احادیث کی قرآن سے تائید:

سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴾

یعنی ''کہہ دیجئے ہر ایک نبی ''شاکلہ'' پر عمل کرتا ہے اور تمہارا رب سیدھی راہ پر چلنے والوں کو خوب جانتا ہے''۔ (بنی اسرائیل: ٨٤)

یہاں شاکلہ کے کیا معنی ہیں اس کے لئے ہم ایک بار پھر پرویز صاحب کی لغات القرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''الشکال اس رسی کو کہتے ہیں جس سے جانور کے اگلی اور پچھلی ٹانگیں باندھی جاتی ہیں تاکہ وہ اس حد تک قدم اٹھا سکے جس تک یہ رسی اجازت دے''۔

''شکل الدابۃ اس نے جانور کی ٹانگیں شکال سے باندھ دیں''۔

''الشکال فی الرحل وہ رسی جس سے کجاوہ کے اگلے اور پچھلے بندھنوں کو ملا کر باندھا جائے''۔

اسی مادہ سے اسم فاعل ''شاکل'' ہے جس کو مونث ''شاکلہ'' ہے اس کے معنی ہوئے باندھنے والی اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس حقیقت پر نظر کرنی چاہئے کہ کائنات میں ہر چیز کے اندر اس کی ممکنات رکھ دی گئی ہیں جیسا کہ آم کی گٹھلی میں یہ امکانی قوت رکھ دی گئی ہے کہ وہ مناسب نشوونما کے بعد آم کا تناور درخت بن جائے جس میں آم جیسا رنگین وخوشبو دار پھل آئے لیکن کیکر کے بیج سے اگرچہ درخت بن جاتا ہے لیکن اس میں کانٹے لگتے ہیں یعنی آم کی گٹھلی کا منتہیٰ آم کا پھل ہے اور کیکر کے بیج کا انجام کانٹے دار درخت ہے ان میں سے کوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا جس کا امکان اس کے اندر ہوتا ہے جس طرح ایک جانور اس حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا جس تک اس کی شاکلہ یعنی اس کی رسی اس کو پہنچا سکتی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے اور یہی مذکورہ بالا آیت کا مطلب ہے کہ ہر شے صرف اپنی شاکلہ تک ہی پہنچ سکتی ہے اس سے آگے نہیں جا سکتی یہاں تک پرویز صاحب کی بات معقول اور سلف صالحین کے موافق ہے لیکن اس سے آگے پرویز صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی اپنی ذاتی رائے اور قرآن کے برعکس بات ہے پرویز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''خارجی کائنات میں ہر شے کی شاکلہ متعین ہوتی ہے لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ اس کی ممکنات کی بھی ایک انتہاء ضرور ہے لیکن لوگوں کی موجودہ اسٹیج اس کی آخری حد نہیں یہ ﴿اقطار السموات والارض﴾ (سورۃ الرحمٰن) سے بھی آگے جا سکتا ہے''۔

پرویز صاحب کا انسان کو قرآن کی آیت ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ﴾ کے حکم سے باہر نکالنا اور یہ کہنا کہ وہ ﴿اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ سے بھی آگے جا سکتا ہے قطعی طور پر غلط اور بلا دلیل ہے اور قرآن کی مذکورہ آیت کے بھی خلاف ہے کیونکہ ''اقطار'' جمع ہے ''قطر'' کی اس کے معنی ہیں ''کونہ یا کسی، چیز کی حد'' یعنی اقطار سے مراد یہ کائنات اور اس کائنات کی حدود میں اللہ تعالیٰ کی حکومت مراد ہے، اس پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے کہ ''اے جنات اور انسانوں کے گروہ اگر تم کو زمین و آسمان کے کناروں سے نکل جانے کی طاقت ہے تو نکل جاؤ اور بغیر طاقت وقوت کے تو تم نکل سکتے ہی نہیں ہو''۔

مطلب یہ کہ وہ طاقت تم کو حاصل ہی نہیں کہ تم نکل سکو یعنی تم اللہ تعالیٰ اور اس کی حکومت کو شکست نہیں دے سکتے لیکن پرویز صاحب اور ان کے متبعین نے اس آیت کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ انسان جو چاند پر پہنچا ہے وہ زمین و آسمان کے اقطار کو پار کر گیا ہے اور اس آیت میں ماضی کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا کہ چونکہ تمہارے پاس آسمان پر جانے کے وسائل نہیں ہیں اس لئے تم وہاں تک نہیں جا سکتے اور اس میں اشارہ ہے آنے والے لوگوں کی ترقی کی طرف کہ وہ آسمان پر وسائل کے حصول کے بعد نہیں جا سکتے گویا اس آیت میں انسان کے چاند پر جانے کی پیشگوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی ہے، یہ ان لوگوں کی تفسیر ہے جو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



قرآن کا ترجمہ وتفسیر لغت عرب اور صرف ونحو کے قواعد سے ہٹ کر محض اپنی عقل سے کرتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ قرآن میں تدبر وتفکر کرنے کا حکم ہے اور یہ حق ہر انسان کو حاصل ہے خواہ وہ عربی قواعد ولغت سے کورا ہی کیوں نہ ہو نیز سورۃ الرحمٰن کی اگلی ہی آیت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر تم اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ سے نکلنے کی کوشش کرو گے تو تمہارے اوپر آگ اور گرم تانبے کی بارش کر دی جائے گی پرویز صاحب نے لغات القرآن میں لفظ ''قطر'' کا معنی کرتے ہوئے لکھا ہے ''القطر، کنارہ، جانب، اس کی جمع اقطار، اطراف و جوانب، خلاصہ کلام یہ کہ آیت ﴿ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ﴾ کے معنی کے اعتبار سے دنیا کی تمام مخلوق بشمول انسان قضاء وقدر کے تابع ہے اور ہر ایک کے لئے اس کا راستہ اور اس کی ابتدا وانتہاء کو معین کر دیا گیا ہے ہر شے ایک دائرے میں رہے گی اس کے باہر جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے جیسا کہ سورۃ الدہر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴾

''یعنی ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے شکر کا یا کفر کا'' (الدھر: ۳)

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مشہور شاگرد مجاہد کا قول ہے کہ ''اس سے مراد شقاوت وسعادت ہے'' یعنی ہر ایک کو خیر وشر اور نیک بختی وبدبختی کا وہ راستہ دکھا دیا گیا ہے جس پر اس کو چلنا ہے وہ اپنے مقررہ اور محدود راستے کے سوا دوسرے راستے پر نہیں چل سکتا اس لئے یہاں لفظ ''السبیل'' مفرد لایا گیا ہے تثنیہ نہیں ہے نیز یہاں ''اما'' کا لفظ ''یا'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی صحیح ترجمہ یوں ہوگا کہ ''ہم نے انسانوں کو ایک راستہ دکھایا ہے یا شکر کا یا کفر کا'' اس کی تائید قرآن کی دوسری آیت سے بھی ہوئی ہے مثلاً سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

www.KitaboSunnat.com

﴿ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾

یعنی ''اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو دین اسلام کی ہدایت دے دیتا'' مگر اس نے ایسا نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



چاہا یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کفر اللہ کی مشیت سے ہے، جیسا کہ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴾ (الانعام ۱۳۷)

یعنی ''ان مشرکوں کے باطل معبودوں نے اولاد کو قتل کرنے کے عمل کو ان کی نظروں میں خوبصورت کر کے پیش کر دیا ہے تا کہ ان کو برباد و ہلاک کر دیں اور دین کو ان کے اوپر خلط ملط کر دیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ کبھی ایسا عمل نہ کرتے پس ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور ان کی جھوٹی باتوں پر کان نہ دھرو۔''

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ کبھی ایسا عمل نہ کرتے یعنی ان کا یہ عمل اللہ کی مشیت سے تھا۔

## رزق کی فراخی اور تنگی کا قضاء وقدر سے تعلق:

پرویز صاحب نے کتاب التقدیر میں صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷ پر زیر عنوان ''من یشاء'' لکھا ہے کہ:

''عقیدہ جبر کی سند اور تائید میں جو آیات پیش کی جاتی ہیں وہ ہیں جن میں ''من یشاء'' کے الفاظ آتے ہیں اور اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے ''جسے چاہے''۔ مثلاً:

﴿ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (سورۃ النحل ۹۳)

یعنی ''وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

﴿ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (سورۃ البقرۃ ۲۸۴)

یعنی ''وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔''

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل ۳۰)

یعنی ''بے شک رب جس کی چاہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہے تنگ کر دیتا ہے۔''

پرویز صاحب نے لغات القرآن میں زیر عنوان ''وحی'' لکھا ہے کہ:

'' کائنات میں ہر شئے اللہ کے امر کے مطابق سرگرم عمل ہے یہ اللہ کی وہ وحی ہے جو ہر شئے میں از خود ودیعت کر دی گئی ہے اس کو قانون فطرت کہتے ہیں یا جانداروں کے لئے جبلت، یہ قانون ان چیزوں کا پیدا کردہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی طرف سے عائد کردہ ہوتا ہے، انسان بھی کائنات کا ایک حصہ ہے اس لئے اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ یہ ایسے قانون کے مطابق زندگی بسر کرے جو اس کا خود پیدا کردہ نہ ہو بلکہ اسے خارج سے ملے، جہاں تک اس کی طبعی زندگی کا تعلق ہے تو اس پر بھی وہی قانون فطرت عائد ہوتا ہے جو دوسرے حیوانات پر ہوتا ہے جیسے کھانا، پینا، سونا، جاگنا اور افزائش نسل یا بیماری اور موت سب اسی قانون کے مطابق واقع ہوتی ہے اور یہ قانون اس کا اپنا وضع کردہ نہیں۔''

اس مقام پر جس قانون فطرت کی بات پرویز صاحب نے کی ہے اور انسانوں کا اس کا تابع بتایا ہے اسی کو علماء اہل سنت نے قضاء وقدر کا نام دیا ہے جب یہ سب کچھ پرویز صاحب کو تسلیم ہے تو قضاء وقدر سے انکار کیوں ہے۔

## وحی کی تعریف وتشریح:

پرویز صاحب نے لغات القرآن میں صفحہ ۱۶۹۴ جلد ۴ پر لکھا ہے کہ:

''انبیاء کرام کو یہ وحی کبھی اشارہ سریہ کے ذریعہ ملتی تھی اور کبھی ''مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ'' لیکن ہمیں یہ وحی صرف رسول کی وساطت سے مل سکتی ہے اسی حقیقت کو قرآن کریم نے سورۃ

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



شوریٰ میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴾

(سورۃ الشوریٰ ۵۱)

''اس میں بتایا گیا ہے کہ انسانوں کے ساتھ اللہ کس طرح کلام کرتا ہے، بشر کی دو قسمیں ہیں ایک انبیاء اور دوسرے غیر انبیاء (اس آیت میں) پہلے انبیاء کا ذکر ہے کہ ان تک اللہ کا کلام یا تو وحی (فرشتہ) کے ذریعہ پہنچتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا یا براہ راست پردہ کے پیچھے سے بات سنائی دیتی ہے جیسے حضرت موسیٰ کی صورت میں ہوا، باقی رہے غیر انبیاء تو ان تک صرف رسولوں کے ذریعہ ہی اللہ کا کلام پہنچتا ہے یہ کلام قرآن کے اندر ہے اس کے باہر کہیں نہیں اس اعتبار سے یہ قرآن ہم پر بھی نازل ہوا ہے بقول قرآن کے اندر ہے اس کے باہر کہیں نہیں اس اعتبار سے یہ قرآن ہم پر بھی نازل ہوا ہے بقول قرآن ﴿يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ﴾۔ (سورۃ البقرہ ۱۰۵) یعنی تم سب پر نازل ہو رہا ہے۔''

پرویز صاحب نے یہاں سورۃ شوریٰ کی آیت کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ قرآن کریم کی صریح تحریف ہے کیونکہ پرویز صاحب نے اس آیت کو وہ معنی پہنائے ہیں جو کسی بھی طرح ممکن نہیں ہیں، پرویز صاحب کا اس تحریف سے اصل مقصد انکار حدیث کے عقیدے کو ثابت کرنا ہے حالانکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کو ملنے والے علم کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں ایک قسم قرآن ہے جو بذریعہ رسول یعنی فرشتہ جبرائیل نازل ہوا جبکہ دو قسمیں یعنی وحی اور پردہ کے پیچھے سے کلام کر کے جو علم نبی کو دیا جاتا ہے وہ قرآن کے علاوہ ہیں اس کو حدیث کہتے ہیں یعنی اس آیت میں وحی سے مراد وہ وحی نہیں جو جبرائیل لیکر آئے کیونکہ عربی لغت میں وحی کا معنی الہام یا اشارہ سریعہ ہے جس کو پرویز صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں، اس کے باوجود پرویز صاحب نے اس حدیث کو نبی کریم ﷺ کے علم سے خارج کرنے لئے اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



آیت کی جو تحریف کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، نیز اس اقتباس کے شروع میں پرویز صاحب نے وحی یعنی قرآن کو اشارہ سریعہ کہا ہے اور اسی عبارت میں آگے چل کر وحی کا مفہوم فرشتہ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز صاحب جبرائیل سے مراد اشارہ سریعہ لیتے ھیں کیونکہ بعض دیگر مقامات پر انہوں نے فرشتوں اور جنوں کے وجود سے بھی انکار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ پرویز صاحب قرآن کو بلا الفاظ وآواز کے وحی باور کرتے کیونکہ جب وہ فرشتہ کے وجود ہی کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر نبی کریم ﷺ کا جبرائیل سے قرآن سننا اور یاد کرنا بھی ناممکن ہوا یعنی پرویز صاحب عقیدہ خلق قرآن پر ایمان رکھنے والوں میں سے ہیں جن کے مطابق قرآن وحی الٰہی ہے مگر بلا الفاظ وآواز ہے یعنی قرآن اللہ کی صفت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور معلوم ہونا چاہیے کہ اہلسنّت علماء کے نزدیک یہ عقیدہ کفر ہے جبکہ حدیث نبوی ﷺ کو پرویز صاحب ویسے ہی وحی سے خارج سمجھتے ہیں چنانچہ حدیث رسول کو وحی سے خارج قرار دیتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یہ تصور بھی غیر قرآنی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کو جو وحی ملی تھی اس کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلو جو قرآن کے اندر ہے اور دوسری وحی غیر متلو جو قرآن کے باہر روایات میں ہے، قرآن کریم میں وحی کی تقسیم کا کوئی ذکر نہیں ہے اس کی رو سے صرف قرآن وحی کے ذریعہ ملا ہے۔''

یہاں پرویز صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں سورۃ الانعام کی ایک آیت کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ﴾

(سورۃ الانعام ۱۹)

یعنی ''میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تم کو اس کے ذریعہ خبردار کروں اور ان لوگوں کو بھی جن کو یہ قرآن پہنچے۔'' اس آیت سے پرویز صاحب نے استدلال کیا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہے وحی صرف قرآن ہے لیکن اس آیت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا معنی یہ ہو سکے کہ وحی صرف قرآن کے اندر ہے یعنی قرآن کے وحی ہونے کا اثبات ہے مگر قرآن کے باہر وحی کی کوئی نفی نہیں اس لئے پرویز صاحب کا اس آیت سے استدلال دھوکہ دہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

پرویز صاحب نے چونکہ وحی کو صرف قرآن تک محدود رکھا ہے اس لئے بعض علماء اہل سنت میں کسی نے پرویز صاحب سے یہ سوال کیا تھا کہ جناب آپ کے والد کا آپ کی والدہ سے کس وحی کی رو سے نکاح ہوا تھا جس کے سبب آپ پیدا ہوئے چونکہ موجودہ مسلمانوں کے طریقہ نکاح کا پورے قرآن میں کہیں ذکر نہیں ہے اس لئے منکرین حدیث کو یا تو اپنے آپ کو غیر شرعی پیدا ہونا ماننا پڑے گا ورنہ حدیث رسول کو بھی وحی ماننا ہوگا کیونکہ شریعت کا ماخذ صرف وحی ہے اور کسی کی ذاتی رائے یا ذاتی فعل شریعت نہیں بن سکتا ہے اسی طرح سورۃ الانعام میں اللہ نے فرمایا کہ:

﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (سورۃ الانعام ۱۴۵)

یعنی ''نبی ﷺ آپ فرما دیجئے کہ میری طرف جو وحی ہوئی ہے اس میں کھانے والے کے لئے سوائے مردہ جانور، بہتے ہوئے خون، سور کے گوشت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کے سوا کچھ بھی حرام نہیں ہے۔'' پرویزی نظریہ کے مطابق اگر وحی کو صرف قرآن تک محدود کر دیا جائے تو اس آیت کی رو سے مذکورہ بالا چیزوں کے علاوہ ہر چیز حلال قرار پائے گی مثلاً کتا، گدھا اور خود انسان بھی حلال ہو جائیں گے اور جو کوئی بھی ان کا گوشت کھائے گا اسے حرام کھانے والا نہیں کہا جائے گا۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



## ایک شبہ کا ازالہ:

یہاں سورۃ انعام کی مذکورہ بالا آیت سے بعض لوگوں کو یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جب اس آیت کریمہ میں واضح طور پر کہہ دیا گیا کہ ان مذکورہ اشیاء کے علاوہ وحی الٰہی میں کوئی چیز حرام نہیں تو پھر حدیث رسول اللہ ﷺ سے حرمت میں داخل ہونے والی اشیاء کے ذکر کو کیسے وحی کہیں گے یعنی ان کے علاوہ مسلمان جن اشیاء کو بھی حرام کہتے ہیں ان کی حرمت کا وحی الٰہی سے کوئی تعلق نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ الانعام کی مذکورہ آیت کے نزول کے وقت تک کوئی چیز ماسوائے اس آیت میں مذکورہ اشیاء حرام نہیں ہوئی تھی لیکن اس آیت کے نزول کے بعد بھی حلت وحرمت کے احکامات تدریجاً آتے رہے اور جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے بلکہ احادیث میں ہے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ احادیث کے احکامات کا تعلق بھی وحی الٰہی سے ہے بصورت دیگر یہ نتیجہ نکلے گا کہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ نے از خود وحی الٰہی کے خلاف بعض اشیاء کو حرام کیا حالانکہ خود قرآن کی رو سے اس بات کی اجازت خود نبی کو بھی نہیں ہے جیسا کہ سورۃ التحریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ﴾ (سورۃ تحریم ۱)

یعنی ''اے نبی ﷺ آپ اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ نبی کو اس بات کا بھی اختیار نہیں کہ وہ کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرے چہ جائیکہ نبی دوسروں کے لئے کسی چیز کو از خود حلال یا حرام کر سکے پس ثابت ہوا کہ احادیث میں وارد کسی چیز کی حلت وحرمت وحی الٰہی کے سبب ہے یعنی حدیث بھی وحی کی قسم سے ہے اور اس پر بھی ویسا ہی ایمان لانا ہوگا جیسا کہ قرآن پر لایا جائے گا اس کی ایک قوی دلیل دینی احکامات بھی ہیں جیسا کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح، طلاق اور خرید وفروخت کے احکامات وغیرہ کی کوئی تفصیل قرآن میں موجود نہیں اب اگر قرآن کے علاوہ کوئی وحی نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



تو نبی کریم ﷺ نے ان تمام احکامات کی تفصیل وجزیات کہاں سے لیں؟ اگر پرویز صاحب یہ مانتے ہیں کہ یہ تمام تفصیل وجزئیات نبی کریم ﷺ نے اپنے ذاتی اجتہاد سے مکمل کی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین ناقص تھا جسے نبی کریم ﷺ نے اپنے ذاتی اجتہاد سے مکمل کیا اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ یہ احکامات کی عملی صورت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی بتائی ہوئی ہے تو یقینی طور پر احادیث کو وحی تسلیم کرنا پڑے گا مثلاً حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے جو حج کیا اس کا مکمل طریقہ پورے قرآن میں کہیں نہیں ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ طریقہ وحی کیا یا نبی کریم ﷺ نے خود اپنی مرضی سے وہ طریقہ مقرر کیا یا حج کا طریقہ متعین کرنے کے لئے صحابہ کرام سے مشورہ کیا گیا تھا۔

## سورۃ النحل کی آیت کی پرویزی تفسیر:

سورۃ النحل آیت ۴۴ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾

یعنی ''ہم نے آپ کی طرف ذکر کو نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے اس کو کھول کر بیان کردیں۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنادیں بلکہ اس ذکر یعنی قرآن کی وضاحت اور شرح وتفسیر کرنے کا حکم دیا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی شرح کرنے کے لئے محض عقل کی ضرورت ہے تو پھر قرآن کی شرح ہر شخص اپنی عقل سے خود کرلیتا ہے نبی کو شرح کرنے کا حکم کیوں دیا گیا صاف ظاہر ہے کہ نبی قرآن کی جو بھی تشریح کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے عین مطابق ہوگی اور عین مطابق اس لئے ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ براہِ راست رابطہ میں ہوتا ہے اور یہ رابطہ یقینی طور پر وحی قرآن کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



علاوہ ہے جو اہل سنت کے نزدیک وحی خفی ہے ورنہ قرآن کی شرح کا حکم لایعنی بات ہوتی۔ پس نبی کریم ﷺ نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ قرآنی احکامات کی جو بھی شرح کی ہے وہ تمام کی تمام وحی پر مشتمل ہے اسی کو حدیث رسول ﷺ کہا جاتا ہے لیکن پرویز صاحب اس آیت کی جو شرح کرتے ہیں وہ لغات القرآن از پرویز صاحب ملاحظہ فرمایئے، وہ زیر عنوان (ب ی ن) لکھتے ہیں کہ:

''(البین) جدائی، الگ الگ کرنا یا ہونا، البین دو زمینوں کے درمیان فاصلہ یا حد کو کہتے ہیں، بانوا بینا، وہ جدا ہو گئے، البیان کا معنی ہے کسی چیز کا کھل کر سامنے آ جانا، واضح ہو جانا، نمودار ہو جانا، صاحب محیط کے نزدیک وہ دلیل وغیرہ جس سے کوئی چیز اشکالاً اور واضح ہو جائے بیان کہلاتی ہے۔''

پرویز صاحب کی اس عبارت سے واضح ہے کہ قرآن کے لفظ ''البین'' کا معنی ہے کسی چیز کا واضح اور آشکارا ہو جانا اور دو چیزوں کا الگ الگ اور جدا ہو جانا اور اس اعتبار سے قرآن کے لفظ ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ کا معنی ہوا آپ ﷺ قرآن کے احکامات کو الگ الگ اور واضح کر کے لوگوں کے سامنے بیان کر دیں اور ان احکامات کی تفصیل، تشریح اور تفسیر لوگوں کے سامنے بیان کر دیں تا کہ لوگ ان احکامات کو الگ الگ طور پر یاد کر لیں مگر پرویز صاحب نے آگے چل کر سورۃ النحل کی اس آیت کا معنی بیان کیا تو اپنی ہی لکھی ہوئی لغت کو ایک طرف ڈال دیا اور اس آیت کریمہ کا یہ معنی کیا کہ:

''ہم نے اس ضابطہ قوانین کو تیری طرف نازل کیا ہے تا کہ جو کچھ لوگوں کی طرف نازل کیا گیا ہے تو اسے لوگوں پر ظاہر کر دے تا کہ وہ اس میں غور فکر کریں۔'' (لغات القرآن)

یہاں پرویز صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نبی کا منصب صرف قرآن پڑھ کر اپنی زبان سے انہیں سنا دیں اور ظاہر کر دیں تا کہ کوئی آیت یا کوئی سورۃ آپ ﷺ کے سینے میں چھپ کر رہ نہ جائے پھر وہ لوگ اس کا مطلب ومفہوم خود نکال لیں گے اور جو کچھ مطلب ومفہوم جس کو

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



سمجھ آ جائے گا وہی مفہوم صحیح اور من جانب اللہ ہوگا حالانکہ کبھی بھی کسی گروہ یا کسی شخص نے قرآن کو حدیث سے الگ کر کے از خود سمجھنے کی خوشش کی ہے لازمی طور پر ٹھوکر کھائی ہے مثلاً خیر القرون کے دور ہی کی مثال لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جن لوگوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی کا انکار کیا تھا ان کا استدلال قرآن سے تھا کیونکہ سورۃ توبہ آیت ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُم﴾

یعنی ''اے نبی ﷺ آپ ان لوگوں سے صدقہ وصول فرمائیں اس کے ذریعے ان کو پاک کریں اور زکوٰۃ وصدقہ لے کر ان کے حق میں دعا کریں، آپ ﷺ کی دعا ان کے لئے سکون واطمینان کا باعث ہے۔'' منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے صرف یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ہم سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم دیا تھا اور ہم آپ ﷺ کی زندگی میں یہ صدقہ دیا کرتے تھے لیکن اب نبی کریم ﷺ کے بعد کسی کو یہ زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں ہے جس کے نتیجہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے قتال کیا اس طرح ان لوگوں کی اس قرآن فہمی نے ان کو دنیا وآخرت دونوں میں ذلیل ورسوا کیا تفسیر ابن کثیر میں یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں تفصیلاً موجود ہے۔

دوسری مثال خوارج کی ہے جن کا استدلال قرآن کی اس آیت سے تھا:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰه﴾ (سورۃ الانعام ۵۷)

یعنی ''اللہ کے سوا کسی کا حکم اور فیصلہ نہیں'' خوارج نے قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے جنگ صفین کے اختتام پر علی اور معاویہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو کافر قرار

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



دیدیا کیونکہ انہوں علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین فیصلہ کے لئے دو صحابہ کرام کو حکم مقرر کیا تھا ان لوگوں نے کہا کہ کسی انسان کو فیصلہ کا حق نہیں کیونکہ قرآن کی رو سے فیصلہ صرف اللہ کا ہوتا ہے، قرآن کے فہم کی بنیاد عقل کو بنانے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

تیسری مثال جلیل القدر صحابی عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے انکار تھا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ انکار قرآن کی ایک آیت کی بنا پر کیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾ (سورۃ البقرہ ۱۴۳)

یعنی ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں بنایا درمیانی امت تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہو۔'' تاریخ طبری میں صفحہ ۴۵۰ جلد ا پر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

''عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اس دن کیوں کہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نہیں مجھے نہیں معلوم آپ نے اس دن ایسا کیوں کہا تھا، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں مَیں نے پڑھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہی دیں گے تو میں نے اس سے یہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت کے آخر تک زندہ رہیں گے تاکہ اس امت کے آخری شخص پر بھی آپ گواہی دے سکیں، یہ تھی میرے یہ کہنے کی بنیاد کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے عقل معیار نہیں بلکہ اس کی تفسیر، شرح اور توضیح خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے ہونا ضروری ہے یعنی اگر قرآن سمجھنے میں عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو غلطی لگ سکتی ہے تو پھر کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ قرآن کو محض اپنی عقل کی بنیاد پر سمجھ سکتا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کیا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا یعنی آپ کا عمل قرآن کی تفسیر تھا پس جو شخص قرآن کو بغیر حدیث

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے سمجھنے کی کوشش کرے وہ ہلاک ہو جائے گا۔

## کیا تصوف، تناسخ اور ثنویت مسئلہ تقدیر کا نتیجہ ہیں؟:

پرویز صاحب نے ایک عیسائی تھامس ایکوئیس کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''اگر شر کا وجود خدا کی مرضی سے ہے تو وہ خدا خیر مطلق نہیں ہو سکتا اور اگر شر خدا کی مرضی کے علی الرغم موجود ہے تو خدا قادرِ مطلق نہیں کہلا سکتا۔''

(کتاب التقدیر ص۱۲۶)

پرویز صاحب تصوف کا مسلک گوتم بدھ کی ایجاد بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''گوتم بدھ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ دنیا ہے ہی مصائب وآلام کا گھر اور ان مصائب وآلام سے چھٹکارا پانے کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں کہ انسان دنیا کو ترک کر دے اور اس حد تک ترک کر دے کہ اس کے دل میں کوئی آرزو تک پیدا نہ ہو، جب دنیا کی طرف سے قطع علائق کی یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو وہ کامل عدم احساس کی منزل میں داخل ہو جائے گا جسے ''نروان'' کہتے ہیں بعد میں ان کے ان تاثرات نے فلسفہ کی شکل اختیار کر لی جو اڑھائی ہزار سے انسانی کے اعصاب پر چھایا ہوا ہے۔ چونکہ دنیا نام ہے جہان آب وگل یعنی ''مادہ'' کا اس لئے اس سے یہ کلیہ مستنبط کیا گیا کہ مادہ ایک دلدل ہے جس میں انسانی روح بری طرح پھنس گئی ہے اور انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ روح کو مادہ کی اس قید سے چھڑا دیا جائے، اس کا طریقہ ترک دنیا ہے اور اور یہ مقصد مختلف ریاضتوں اور مشقتوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے اس مسلک کو ''تصوف'' کہتے ہیں۔''

(کتاب التقدیر ص۱۲۷)

مسئلہ تناسخ کا سبب بیان کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ہندی مفکروں نے جب اس سوال پر غور کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ کچھ لوگ دنیا میں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



عیش وآرام کی زندگی بسر کرتے ہیں اور دوسرے لوگ ساری عمر مصائب وتکالیف میں مبتلا رہتے ہیں تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ جن لوگوں نے اپنے پچھلے جنم میں اچھے کام کئے تھے انہیں موجودہ جنم میں خوش گواریاں میسر آتی ہیں اور جنہوں نے برے کام کئے تھے وہ مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہیں یہ نظریہ درحقیقت آواگون یعنی عقیدہ تناسخ ہی کا دوسرا نام تھا جو فکر یونان کی پیداوار تھا۔'' (کتاب التقدیر ص ۱۲۸)

عقیدہ ''ثنویت'' کو بیان کرتے ہوئے پرویز صاحب نے لکھا:

''ایرانی دانشوروں نے کہا کہ دنیا میں دو مستقل اور باہمد گر متضاد قوتیں ازل سے برسر پیکار ہیں، ایک ظلمت یعنی تاریکی کی قوت جسے ''اہرمن'' کہتے ہیں اور دوسری نور یعنی روشنی جسے ''یزداں'' کہا جاتا ہے، ان دونوں میں ہر آن جنگ جاری رہتی ہے جسے خیر وشر کی کشمکش کہتے ہیں یہ ثنویت قدیم ایرانی مجوسیوں کا مذہب ہے۔''

(کتاب التقدیر ص ۱۲۸)

یہاں پرویز نے ان عقائد کو پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تمام باطل مذاہب دراصل خیر اور شر دونوں کے من جانب اللہ ہونے پر ایمان رکھنے کا نتیجہ تھے اس کے بعد پرویز صاحب کتاب التقدیر میں فکر قرآن کا حاصل یہ بتاتے ہیں کہ ''خیر من جانب اللہ ہے جب کہ شر انسان کے اپنے اعمال کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔'' لیکن تبویب القرآن میں اس مسئلہ کو لاینحل بتاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

''خیر وشر کا مسئلہ اس وقت سے فلسفہ کا موضوع بنا چلا آ رہا ہے جس وقت سے انسان نے سوچنا شروع کیا ہے لیکن اس کا کوئی اطمینان بخش حل ابھی تک انہیں نہیں مل سکا، قرآن کریم اس فلسفیانہ بحث میں نہیں الجھتا، وہ کہتا ہے کہ اشیاء کائنات ہوں یا انسان کی اپنی صلاحیتیں ان میں سے کوئی بھی شے فی ذاتہ نہ خیر ہوتی ہے نہ شر ان کا استعمال انہیں خیر یا شر بنا دیتا ہے۔'' (تبویب القرآن ص ۱۱۷)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی پرویز صاحب کے نظریہ کے مطابق خیر وشر کا خارج میں کوئی وجود نہیں بلکہ یہ ہر انسان پر منحصر ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے اپنے لئے خیر بنالے اور جس چیز کو چاہے شر بنالے۔ اس کا صاف طور پر مطلب نکلتا ہے کہ پرویز صاحب اللہ تعالیٰ کو اس کائنات کا خالق تو مانتے ہیں لیکن عامل نہیں یعنی ان کے خیال میں یہ کائنات بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ کائنات کو قوانین کے حوالے کر کے خود لاتعلق ہو گیا ہے نیز کائنات کے قوانین کا یہ نظریہ اگر مان بھی لیا جائے تو اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قوانین بنانے والا کون ہے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ تو پھر خیر وشر کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہوا۔ قرآن اس معاملہ میں کہتا ہے کہ:

﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾

(سورۃ یونس ۱۱)

یعنی ''اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے لئے شر میں اتنی جلدی کرتا جتنی جلدی وہ خیر کی طلب کرتے ہیں تو ان کی مہلت پوری ہو جاتی، پس ہم ان ان لوگوں کو جو اللہ سے ملاقات کا یقین نہیں رکھتے سرکشی میں پڑا چھوڑ دیتے ہیں۔'' یعنی خیر وشر دونوں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴾ (سورۃ الانبیاء ۳۵)

یعنی ''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں خیر اور شر کے ذریعہ ضرور آزمائیں گے اور تم کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے'' ان آیات سے معلوم ہوا کہ خیر وشر دونوں اللہ کی جانب سے ہیں اس لئے پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ ''اگر شر کا وجود خدا کی مرضی سے ہے تو وہ خدا خیر مطلق نہیں ہو سکتا اور اگر شر خدا کی مرضی کے علی الرغم موجود ہے تو خدا قادرِ مطلق نہیں

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کہلاسکتا۔'' پرویز صاحب کا توحید اسماء وصفات پر ایمان نہ ہونے کا نتیجہ ہے علماء اہل سنت والجماعت نے توحید کی تین اقسام بیان کی ہیں:

① توحید ربوبیت یعنی جو کچھ بھی انسان کو اس دنیا میں حاصل ہوتا ہے بظاہر اس کا مہیا کرنے والا کوئی بھی ہو مگر حقیقت میں اس کا عطاء کرنے والا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے گویا اس کے شکر وتعریف کا اصل حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

② توحید الوہیت یعنی معبود صرف اللہ کو سمجھنا دراصل یہ توحید ربوبیت کا ایک منطقی نتیجہ ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ کو حقیقی رب مانا جائے تو عبادت بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے اور کوئی بھی دوسرا اس عبادت میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیے۔

③ توحید اسماء وصفات یعنی جب کسی کو حقیقی رب مانا جائے اور اسی کی اطاعت وبندگی خلوص دل کے ساتھ کی جائے تو پھر ضروری ہوجاتا ہے کہ انسان اس ہستی کے اسماء اور صفات سے بھی واقف ہوتا ہے کہ اسے اس کے صحیح ناموں اور شایان شان صفات سے پکار سکے ورنہ شرک میں مبتلا ہوجانے کا قوی امکان ہوتا ہے، اور توحید اسماء وصفات کا مطلب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے جو بھی اسماء وصفات بیان کئے ہیں اور ان پر من وعن ایمان رکھا جائے اور ان میں سے کسی صفاتی نام کی کوئی تاویل نہ کی جائے اور ان تمام اسماء وصفات کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات میں بیک وقت اور ہمہ وقت باتمام وکمال اور قائم ودائم مانا جائے حتیٰ کہ متضاد صفات مثلاً الہادی یعنی ہدایت دینے والا اور المضل یعنی ہدایت سے محروم کرنے والا اسی طرح الرحمٰن یعنی انتہا درجہ میں رحم کرنے والا اور شدید العقاب یعنی سخت سزا دینے والا وغیرہ جیسی صفات بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں بیک وقت اور ہمہ وقت موجود ہوتی ہیں اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ خیر مطلق بھی ہے اور قادرِ مطلق بھی یعنی خیر کا خالق بھی ہے اور شر کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

اس اسماء وصفات کے عقیدہ کو سامنے رکھتے ہوئے اب اگر ہم مذکورہ بالا باطل

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مذاہب کا جائزہ لیں تو ہم دیکھیں گے کہ تصوف نے نفس انسانی یا جسم یا مادہ کو شر کا خالق قرار دیا اور خیر کو روح کا خاصہ قرار دیا جس کے نتیجہ میں روحانیت حاصل کرنے کا تصور پیدا ہوا جس کا منطقی نتیجہ بلآخر تصوف یا رہبانیت کی صورت میں سامنے آیا۔ اسی طرح آواگون یا تناسخ کا نظریہ بھی خیر اور شر کا خالق انسان کو سمجھنے کا ایک نتیجہ ہے کیونکہ اس نظریہ کے مطابق جو انسان خیر کو اختیار کرتا ہے وہ اپنے آئندہ جنم میں چین اور راحت کی زندگی گذارتا ہے جبکہ جو انسان شر پھیلاتا ہے وہ اپنے اگلے جنم میں اس کا نتیجہ بھگتتا ہے یعنی خیر یا شر اختیار کرنے میں انسان مطلق آزاد ہے اور اپنے تمام اعمال خواہ وہ خیر ہوں یا شر پر مشتمل ہوں انسان کی اپنی تخلیق ہیں (انسان کی طرف تخلیق عمل کی نسبت درست نہیں) لہٰذا ان اعمال کے مکمل بدلے کا بھی انسان خود ہی حق دار ہے اور شر یا خیر کے اکثر اعمال ایسے ہیں جن کے بدلے کے لئے ایک جنم ناکافی ہے مثلاً ایک آدمی نے سو آدمیوں کا قتل کیا لیکن بدلے میں اس کو صرف ایک بار ہی قتل کیا جاسکتا ہے پس آخرت پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے عقلی طور پر قاتل کا بار بار جنم لینا اور قتل ہونا ضروری قرار پاتا ہے یعنی تناسخ کا نظریہ آخرت کی جزا وسزا پر ایمان نہ ہونے اور خیر وشر کا خالق انسان کو ماننے کا ایک افسانوی نتیجہ ہے۔ اسی طرح ثنویت کا نظریہ بھی خیر وشر کے خالق علیحدہ علیحدہ یعنی ''اہرمن اور یزداں'' کو ماننے کا نتیجہ ہیں جبکہ صحیح اسلامی عقیدہ کے مطابق خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے البتہ انسان اپنے علم اور عقل کی مدد سے شر سے جس قدر بچ سکتا ہو بچے اور خیر کو جس قدر ممکن ہو اختیار کرے کیونکہ علم اور عقل بھی اللہ ہی کی دین ہیں لیکن جو معاملہ غیب سے تعلق رکھتا ہو یا جس معاملے میں صحیح فیصلہ ناممکن ہو اس معاملے کو اس یقین کے ساتھ اللہ کے سپرد کردے کہ وہ ''علی کل شئی قدیر'' اور ''خیر وشر'' کا خالق ہے اس لئے صرف اللہ تعالیٰ ہی کسی چیز کے شر سے انسان کو بچا سکتا ہے اور صحیح سمت میں راہنمائی کرسکتا ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



فرقہ جبریہ اور پرویزی ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں:

پرویز صاحب نے اپنی کتاب التقدیر میں ''عقیدہ جبر کی تائید میں روایات'' کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے جس کے تحت صحیح بخاری و مسلم اور بعض دیگر کتب سے چند احادیث نقل کیں ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جبریہ فرقہ درحقیقت انہیں احادیث کی وجہ سے وجود میں آیا لیکن کتاب التقدیر کے صفحہ ۱۷۵ پر یہ بھی لکھا ہے کہ:

''امت میں اعتقاد کی بنا پر جو فرقہ سب سے پہلے وجود میں آیا وہ جبریہ فرقہ تھا۔''

حالانکہ پرویز صاحب ہر مقام پر یہ ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں کہ احادیث کی جمع وتدوین تیسری صدی ہجری میں ہوئی اس سے قبل کوئی مسلمان بھی احادیث کو قابل التفات نہیں سمجھتا تھا اور تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ تیسری صدی سے قبل ہی شیعہ، خوارج، معتزلہ اور جبریہ فرقے وجود میں آچکے تھے یعنی پرویز صاحب کی تحقیق کے مطابق اگر جبریہ فرقہ مسلمانوں کے اولین فرقہ میں سے ہے اور اس کی بنیاد احادیث پر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری کے مسلمان احادیث کو دین میں حجت سمجھتے تھے ورنہ کوئی فرقہ احادیث سے کس طرح دلیل پکڑ سکتا تھا مزید برآں کوئی بھی فرقہ خواہ حق ہو یا باطل، زمانہ قدیم میں رہا ہو یا موجود دور میں ہو اپنی بات کو اس وقت تک عوام الناس سے نہیں منوا سکتا جب تک اس کے پاس قرآن سے بھی کوئی نہ کوئی دلیل نہ ہو لیکن پرویز صاحب نے یہاں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ سارا قصور احادیث کا ہے جس کے باعث جبریہ فرقہ نے گمراہی اختیار کی حالانکہ گذشتہ صفحات میں ہم بعض ایسی آیات کو نقل کر چکے ہیں جن سے جبریہ نے استدلال کیا ہے مثال کے طور پر ایک آیت سورۃ الحدید کی ملاحظہ ہو:

﴿مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ (سورۃ الحدید ۲۲)

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



یعنی ''روئے زمین پر یا تمہاری اپنی جان پر کوئی مصیبت اس وقت تک نہیں آتی جب تک کہ وہ کتاب میں پہلے سے لکھی ہوئی نہ ہو، یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے'' یہ آیت ان احادیث کی تائید کرتی ہے جنہیں پرویز صاحب نے جبریہ فرقہ کی وجہ تاسیس قرار دیا ہے اس کے باوجود کتاب التقدیر ص ۱۸۳ پرویز پر پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''تقدیر کے مسئلہ سے متعلق کس قسم کی روایات وضع کی گئیں ان کا اندازہ دو چار مثالوں سے لگائیے جنہیں ہم احادیث کے نہایت معتبر مجموعہ سے پیش کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خداوند تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھ رکھا ہے جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا۔'' (بحوالہ صحیح مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز تقدیر پر موقوف ہے یہاں تک کہ نادانی اور دانائی بھی۔ (بحوالہ صحیح مسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کا ٹھکانا نہ لکھا گیا ہو یعنی یا تو اس کا ٹھکانہ آگ میں ہے یا جنت میں۔

(بخاری و مسلم)

پرویز صاحب ایک جانب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ صرف ان احادیث کو قبول کریں گے جو قرآن کے موافق ہوں اور دوسری جانب وہ ان مندرجہ بالا احادیث کو بھی رد کر رہے ہیں جو قرآنی آیت کی تائید کرتی ہیں درحقیقت اصل بات یہ ہے کہ پرویز صاحب صرف ان احادیث کو قبول کرتے ہیں جو ان کے نظریہ کے مطابق ہوں یہی کام جبری فرقہ نے کیا تھا بلکہ ہر باطل فرقہ یہی کام کرتا تھا اور کرتا ہے اور ہر وہ حدیث جس سے پرویز صاحب کے کسی خود ساختہ نظریہ پر زد پڑتی ہو اسے موضوع اور جھوٹی قرار دیکر پرویز صاحب رد کر دیتے ہیں خواہ وہ حدیث صحت کے اعلیٰ درجہ پر ہو اور اس کے تائید قرآن سے بھی کیوں نہ ہوتی ہو، مفہوم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



بیان کرنے کے نام پر پرویز صاحب کو کھلی چھٹی ہے کہ جس آیت کا جو مفہوم چاہیں بیان کریں اور احادث کو وہ بیک جنبش قلم رد کر دیتے ہیں مثال کے طور پر سورۃ الحدید کی مذکورہ بالا آیات کا پرویزی مفہوم ملاحظہ فرمائیے:

''ہم نے قانون بنایا ہے کہ معاشی خوش حالیاں اسے حاصل ہوتی ہیں جو انہیں خود حاصل کرنا چاہے اس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ رزق کمانے کی استعداد مختلف افراد میں پیدائشی طور پر مختلف ہوتی ہیں نیز بعض خارجی حوادث کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے کہ ایک شخص میں کمائی کی استعداد کم ہو جائے یا بالکل ہی جاتی رہے تو مندرجہ بالا قانون کے مطابق ایسے لوگ بڑے نقصان میں رہیں گے، یہ تمام امور ہماری نگاہ میں ہیں اس لئے ہم نے ان داخلی یا خارجی حوادث کے رونما ہونے سے پہلے ہی اپنے ضابطہ قوانین میں اس کی تلافی کا سامان رکھ دیا ہے، یہ ہمارے نظام ربوبیت میں اس قسم کی شق کا رکھا جانا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ (مفہوم القرآن ص ۱۲۸۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ روئے زمین پر اور ہر انسان پر آنے والی مصیبتوں کے پہلے سے کتاب میں لکھے ہونے کا تذکرہ کر رہا ہے جب کہ پرویز صاحب بعض افراد کے خوشحالیوں سے محروم رہ جانے کا بدلہ قانون میں رکھے جانے کا ذکر کر رہے ہیں اور کتاب کا مطلب نظام ربوبیت کر رہے ہیں جو نقصان کی تلافی کر رہا ہے جس تلافی کا ذکر اسی آیت میں سرے سے نہیں ہے، پرویز صاحب نے اس آیت کا جو مفہوم دریافت کیا ہے لغت کے ماہرین میں سے کوئی بھی اس مفہوم کو قرآن کی اس آیت کے مطابق قرار نہیں دے سکتا بلکہ یہ پرویز صاحب کی اپنی ذہنی اختراع اور اس آیت سے ثابت شدہ مسئلہ تقدیر کے انکار کی ایک ناکام کوشش ہے ناکام اس لئے کہ مذکورہ بالا پیراگراف میں موجود پرویز صاحب کے یہ الفاظ کہ ''رزق کمانے کی استعداد مختلف افراد میں پیدائشی طور پر مختلف ہوتی ہیں'' مسئلہ تقدیر کو خود بخود ثابت کر دیتے ہیں کیونکہ پیدائشی طور پر استعداد کا مختلف ہونا تقدیر کی بنا پر ہوتا ہے یعنی جس شخص

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



میں پیدائشی طور پر رزق حاصل کرنے کی استعداد ہی نہیں ہوگی وہ معاشی خوش حالیاں کیسے حاصل کرے گا پس یہی کہا جا سکتا ہے کہ پرویز صاحب نے مفہوم کے نام پر قرآن کی تحریف کا جو نسخہ دریافت کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے بہرکیف یہاں ہم یہ بتانا چاہیے ہیں کہ جبریہ فرقہ نے تقدیر کے مسئلہ میں جو موقف اختیار کیا اگرچہ وہ بھی پرویز صاحب کے موقف کے برخلاف ہونے کے باوجود غلط تھا مگر اس کی بنیاد انہوں نے بھی پرویز صاحب کی طرح حدیث پر نہیں بلکہ قرآن ہی رکھی تھی مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ ہو:

﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ○ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ﴾ (سورۃ الزمر: ۳۶، ۳۷)

یعنی ''کیا اللہ کافی نہیں ہے اپنے بندے کے لیے جب کہ یہ تم کو ان سے ڈراتے ہیں جو اس کے سوا ہیں، اور جسے اللہ ہدایت سے محروم کردے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں، اور جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی بھٹکانے والا نہیں ہے، کیا اللہ زبردست اور بدلہ لینے والا نہیں ہے''۔

یہاں اللہ تعالیٰ کو صاف طور پر ہدایت دینے والا اور ہدایت سے محروم کرنے والا کہا گیا ہے جس میں کوئی دوسرے کے عمل دخل کی مطلق نفی کی گئی ہے جب کہ بعض دیگر آیات میں ان کے ہدایت اور گمراہی اختیار کرنے کو انسان کا ذاتی کسب بھی بتایا گیا اور اس کے متعلق بعض روایات بھی ہیں جنہیں پرویز صاحب نے بغیر ان کی اسنادی حیثیت کو دیکھے اختیار کیا ہے اس اعتبار سے جبریہ اور پرویزی ایک دوسرے کے قطعی مخالف موقف رکھنے کے باوجود ایک ہی کشتی کے سوار ہیں یعنی ان دونوں نے پہلے ایک نظریہ قائم کیا پھر اس نظریہ کی بنیاد پر قرآن آیات اور احادیث کو رد یا قبول کیا۔ اس کے برخلاف اہل سنت یا محدثین نے ہر دو قسم

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کی آیات اور احادیث پر غور وفکر کرنے کے بعد یہ موقف اختیار کیا کہ خیر وشر یا ہدایت ومحرومی مطلق اللہ کے اختیار میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ العلیم اور الخبیر ہونے کے باعث بخوبی جانتا ہے کہ کون ہدایت کا حق دار اور کون ضلالت کا مستحق ہے اور اپنے اس علم بنیاد پر اللہ تعالیٰ انسانوں کو عمل کا موقع فراہم کرتا ہے جس کی بنیاد پر انسان کے لئے آخرت میں جزا یا سزا ہے نیز جو بھی اچھے یا برے اعمال انسان کرتے ہیں ان اعمال کو کرنے کی قوت اور سازگار ماحول اللہ تعالیٰ ہی فراہم کرتا ہے اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی مشیت انسان کے اعمال میں شریک ہے اس کے علاوہ چونکہ شیطان نے انسان کو جہنم میں اپنے ساتھ لے جانے کی قسم کھائی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے یوم الحساب تک کی مہلت دی ہے چنانچہ شیطان انسانوں کو برے اعمال پر برابر اکساتا رہتا ہے اس اعتبار سے انسان کے برے اعمال میں شیطان بھی شریک ہے یعنی انہی دوگانہ اور سہ گانہ نسبتوں کی سبب قرآن کریم میں اللہ نے ہدایت و ہدایت سے محرومی، نیکی اور بدی اور خیر وشر کو مختلف مقامات پر مختلف نسبتوں سے ذکر کیا ہے جس کی تفصیل ہم اس کتاب کے مقدمہ میں درج کر چکے ہیں جس میں سے کسی خاص آیت یا آیات کو اصل قرار دے کر بعض کا انکار یا تاویل کرنا قرآن کے بعض پر ایمان لانے اور بعض کی تکذیب کرنے کے مترادف ہے جس کی سزا دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے اور ہماری ہدایت اور ہمارے ہر اچھے عمل کو اپنی رضا کے لئے خاص کر لے آمین۔

## تقدیر اور تدبیر کا باہمی تعلق:

پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

''چونکہ یہ عقیدہ کہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، عملی دنیا میں نہیں چل سکتا اس لئے ہم ایک کشمکش میں مسلسل مبتلا رہتے ہیں کوئی شخص ہمارے کسی عزیز کو قتل کر دیتا ہے، ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ خدا کے حکم سے ہوتا ہے مقتول کی عمر ہی اتنی تھی اس کے مقدر میں اسی

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



طرح قتل ہونا لکھا تھا قسمت کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے، خدا کو منظور ہی ایسا تھا، زبان سے یہ کچھ کہتے جاتے ہیں اور قاتل کے خلاف استغاثہ بھی دائر کر دیتے ہیں کامیابی ہوتی ہے تو اپنی حسن تدبیر کے قصیدے پڑھتے ہیں اور ناکامی ہوتی ہے کہہ دیتے ہیں کہ خدا کو منظور ہی ایسا تھا۔

بچہ بیمار ہوتا ہے تو عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ خدا نے پہلے سے لکھا رکھا ہوتا ہے کہ اس نے کب بیمار ہونا ہے کتنے دن بیمار رہنا ہے اور اس کا انجام کیا ہوتا ہے لیکن عمل یہ ہوتا ہے کہ اس کے علاج کے لئے دوڑے دوڑے پھرتے ہیں، افاقہ نہیں ہوتا تو علاج بدل لیتے ہیں، وہ اچھا ہو جاتا ہے تو ہر ایک سے اپنی تدبیر کی داد طلب کرتے ہیں اور معالج کی حذاقت کا دھنڈورا پیٹتے ہیں لیکن وہ مر جاتا ہے تو اسے قضائے الٰہی کہہ کر پکارتے ہیں اور ٹھنڈی سانس بھر کر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کے علاج میں تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی لیکن جب اس کی لکھی ہی اتنی تھی تو ہم کیا کر سکتے ہیں اور اگر کوئی یہ پوچھے کہ اگر یہ ٹھیک ہے کہ جو کچھ ہونا ہوتا ہے پہلے سے مقدر ہوتا ہے اور قسمت کے لکھے کو کوئی بدل نہیں سکتا تو تم اتنی بھاگ دوڑ کیوں کر رہے تھے کیا اس سے قسمت کا لکھا بدل جاتا ہے تو اس کے جواب میں کہہ دیا جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا برحق ہے لیکن تدبیر کرنا بھی فرض ہے، ہر شخص اس قسم کے الفاظ دہرا دیتا ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اگر تقدیر اٹل ہے تو پھر تدبیر کیوں فرض ہے۔

(کتاب التقدیر ص ۳۹۸، ۳۹۹)

پرویز صاحب دعا کے معنی کہیں اطاعت اور کہیں قانون کرتے ہیں اور مسلمانوں کے دعا کرنے کے مروجہ طریقہ دعا کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اگر یہ عقیدہ ہو کہ انسان کی زندگی میں جو کچھ ہونا ہوا سے خدا نے پہلے سے لکھ دیا ہوتا ہے اور یہ قسمت کا لکھا اٹل ہوتا ہے تو پھر دعا کے کچھ معنی ہی نہیں رہتے مثلاً ایک شخص کے متعلق پہلے سے طے شدہ ہے کہ اس نے اتنے دن بیمار رہ کر مر جانا ہے اب اس

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



کے لئے وہ خود یا اس کے متعلقین لاکھ دعائیں کریں، قسمت کے لکھے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی وہ اتنے دن بیمار رہ کر مر جائے گا، اب اگر یہ کہا جائے کہ نہیں دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے تو پھر یہ عقیدہ غلط قرار پائے گا کہ قسمت کا لکھا اٹل ہوتا ہے کیونکہ جو فیصلہ بدل سکتا ہے خواہ وہ دعا سے بدلے یا تدبیر سے بدلے وہ اٹل نہیں ہوسکتا۔

(کتاب التقدیر ص٣٦٤)

پرویز صاحب کی ان عقلیات کا ایک سیدھا جواب جوان منکرین تقدیر کی بولتی بند کردینے کے لئے کافی ہے وہ یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھنے والے جب یہ ایمان رکھتے ہیں ہر چیز تقدیر میں لکھی ہوئی ہے تو پھر دعا یا تدبیر کرنے نے جو دعا یا تدبیر کی وہ بھی تقدیر میں لکھی ہوئی تھی اس لئے کسی دعا کرنے والے نے جو دعا کی اور جس وقت دعا کی اس کا اس وقت اور اس موقع پر دعا یا تدبیر کرنا بھی تقدیر میں لکھا ہوا تھا اس لئے اس نے دعا یا تدبیر کرکے تقدیر پر عمل کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ:

«عن ابی خزامه قال سئل رسول الله ﷺ ارایت ادویة نتداوی بها ورقی نسترقی بها وتقی نتقیها هل ترد من قدر الله شیئا قال هی من قدر الله» (رواه ابن ماجه کتاب الطب، حدیث: ٣٤٣٧، جامع الترمذی: ٢٠٦٥)

یعنی ''ابن خزامہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ہم مرض میں دوا کرتے اور جھاڑ پھونک بھی کرتے ہیں، کیا اس کے ذریعہ تقدیر بدل جاتی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا یہ عمل بھی نوشتہ تقدیر میں ہوتا ہے''

یعنی تقدیر کو تدبیر یا دعا سے بدلا نہیں جا سکتا ہے لیکن یہ تدبیر یا دعا بھی ہم جب ہی کر سکتے ہیں جب وہ تدبیر یا دعا کرنا تقدیر میں لکھا ہو یعنی تقدیر میں انسان کے اعمال کے ساتھ اس کی تدبیر یا دعا بھی لکھی ہوتی ہے اور انسان اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے تدبیر یا دعا کرتا ہے لیکن بظاہر ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری تدبیر یا دعا سے تقدیر بدل گئی اور ایسا

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس لئے ہے تا کہ ایک جانب انسان مایوسی اور نا امیدی میں مبتلا نہ ہو اور دوسری جانب وہ تکبر اور خود فریبی سے بھی بچا رہے ورنہ اگر ایسا نہ ہو تو انسان کسی مصیبت کے وقت اللہ کو یاد کرے گا اور نہ کسی نعمت کے حاصل ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکے گا کیونکہ انسان اللہ تعالیٰ کو اسی وقت یاد کر سکتا ہے جب وہ بین الخوف والرجاء ہو یعنی اسے تقدیر کے فیصلوں میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے شامل ہونے کا یقین ہو اور ساتھ ہی ساتھ ان تقدیر کے فیصلوں پر اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا احساس بھی رہے اس لئے قرآن کا ہم کو مطلق حکم یہ ہے کہ ہم دعا مانگیں اور تدبیر کریں اگر ہمارے متعلقہ امر کا ہماری دعا یا تدبیر کے بعد بدلنا تقدیر میں لکھا ہوا ہے تو ہمیں اطمینان حاصل ہو جائے ورنہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس سے بہتر چیز ہم کو دے گا یا پھر اس دعا کا بدلہ آخرت میں ہمارے لئے محفوظ کر لے گا جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾ (سورۃ البقرہ: ۱۸۶)

یعنی ''اے نبی ﷺ میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں، پکارنے اور دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں، پس لوگوں کو چاہیے کہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں تا کہ یہ ان کی بھلائی کا باعث ہو''

یہاں اس آیت میں دعا کی قبولیت کا مطلق وعدہ ہے جو تقدیر کی صورت میں صرف اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب مانگنے والے کو اس سے بہتر چیز عنایت فرما دی جائے یا اس کا بدلہ آخرت میں محفوظ کر لیا جائے اس لئے پرویز صاحب کا یہ کہنا کہ تقدیر پر ایمان رکھنے والوں کو دعا یا تدبیر نہیں کرنی چاہیے محض ایک لغو بات کے سوا کچھ نہیں ہے۔

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



منکر تقدیر کا اقرار تقدیر:

پرویز صاحب نے مسئلہ تقدیر کو باطل اور بے کار شئے قرار دینے کے لئے مکمل کتاب لکھی اور مسئلہ تقدیر کو مجوسیوں اور ہندوؤں کا مذہب بتاتے ہوئے اس سے برات کا اظہار فرمایا ہے اور یہاں تک لکھا ہے کہ قانون کی اطاعت کو ہی تقدیر کہتے ہیں اس کے باوجود بعض مقامات ایسے ہیں جہاں پرویز صاحب مسئلہ تقدیر کے آگے گھٹنے ٹیکنے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں مثلاً کسی انسان کا بحیثیت مرد یا عورت پیدا ہونا اس کے اپنے ذاتی اختیار کی بات نہیں اسی طرح انسان کا کسی مومن یا کافر کے گھر پیدا ہونا بھی اس کے اپنے اختیار کے بات ہے اور نہ کسی قانون کے مطابق ہے ایسا صرف اللہ کی مشیت کے مطابق ہے اور اسی طرح پرویز صاحب کے نزدیک کسی کا نبی یا رسول ہونا بھی اس کے ذاتی کسب کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا تھا اس منصب کے لئے منتخب کرتا تھا ایسے تمام مقامات پر پرویز صاحب ''من یشاء'' کا معنی وہی کرتے ہیں جو دیگر تمام اہل علم کرتے ہیں مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ:

خدا اپنی مشیت کے پروگرام کے مطابق ایک برگزیدہ ہستی کو اس مقصد کے لئے منتخب اور مختص کر لیتا تھا (ولله یختص برحمته من یشاء) اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق جسے چاہتا ہے اس منصب جلیلہ کے لئے مختص کر لیتا ہے۔

(کتاب التقدیر ص ۲۴۰)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ من یشاء کا صحیح مفہوم وہی ہے جو تمام مفسرین کے نزدیک معتبر ہے اور پرویز صاحب نے بھی مندرجہ بالا عبارت میں اس کو مجبوراً قبول کیا ہے کیونکہ اگر پرویز صاحب نبوت و رسالت کے ضمن میں بھی من یشاء کا معنی قانون ہی کرتے تو آج وہ بھی قادیانی حضرات کی قطار میں کھڑے نظر آتے، مسئلہ تقدیر کے حق اور صحیح ہونے کا یہ پرویز صاحب کے قلم سے یہ ایک پختہ ثبوت ہے اور دوسرے ثبوت کے طور پر یہ قرآن آیت ملاحظہ فرمائیے:

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



﴿الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا﴾ (سورۃ الفرقان:۲)

یعنی ''وہی ہے آسمان اور زمین جس کی ملکیت ہیں، اس نے کسی کو بیٹا بنایا اور نہ کوئی ملکیت میں اس کا شریک ہے، ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کردی''

یہاں لفظ ''قدرہ تقدیرا'' استعمال ہوا ہے جو کہ مفعول مطلق ہے جو کسی چیز کے حقیقی معنی کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کا مطلب ہوا کہ ''یہ کوئی استعارہ نہیں بلکہ حقیقی معنی میں تقدیر مقرر کی جس طرح تقدیر مقرر کی جاتی ہے'' یعنی کائنات میں موجود ہر چیز جیسا کہ حیوانات، نباتات، موجودات اور انسان کے لئے ایک تقدیر یا پیمانہ مقرر کیا کہ وہ اس طرح، اس جگہ اور اس وقت پیدا ہوں گے پھر اس طرح اپنی منزلیں طے کریں گے اور ان کا اختتام اس طرح ہوگا یعنی تقدیر کا مطلب ہوگا اللہ تعالیٰ کا انسان اور کائنات میں موجود جملہ اشیاء پر مکمل کنٹرول ہے، پرویز صاحب اس آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس نے ہر شئے کو پیدا کیا اور پھر ان کے لئے تقدیر مقرر کردی یہاں بھی تقدیر سے مراد خدا کے مقرر کردہ قوانین ہیں۔ (کتاب التقدیر ص ۵۸)

اس نے ہر شئے کو ایک خاص ترتیب دے کر پیدا کیا اور پھر اس کے امکانات اور صلاحیتوں کے پیمانے مقرر کردیئے، انہی پیمانوں کو ان اشیاء کی تقدیر کہا جاتا ہے یعنی جو کچھ کسی شئے کے آخر الامر بن جانے کا امکان ہے وہ اس کی تقدیر ہے۔

(مفہوم القرآن ص ۸۱۵)

یہی بات مسئلہ تقدیر کے قائلین کہتے ہیں کہ اولا ہر شئے کو ایک خاص ترتیب دے کر پیدا کرنا، ثانیاً اس کے امکانات اور صلاحیتوں کے پیمانے مقرر کرنا۔ ثلاثا آخر الامر کا تعین یعنی اس کے خاتمہ کا تعین کرنا مثلاً ایک انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا، جو صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے اور جس عقیدہ اور عمل پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے پرویز صاحب کے بیان کردہ مفہوم کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مطابق پہلے سے طے شدہ ہے تو پھر تقدیر اور کسے کہتے ہیں البتہ پرویز صاحب نے یہاں ایک لفظ ''امکان'' کو دو مرتبہ استعمال کیا ہے اور اس سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ پیمانے یا تقدیر حتمی اور یقینی نہیں بلکہ محض ایک امکان ہی حد تک ہے لیکن امکان کا لفظ اللہ تعالیٰ کے امور میں استعمال کرنا ہی غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور امکان کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کسی معاملہ میں انسان شک اور یقین کے درمیان ہو جب کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے کے بارے میں حتمی اور یقینی علم رکھتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ پیمانے کو امکان نہیں بلکہ تقدیر کہا جائے گا پس معلوم ہوا کہ مسئلہ تقدیر کا ہماری زندگی سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی مقام پر مسئلہ تقدیر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں پس جو لوگ عوام الناس کو اپنی لچھے دار باتوں میں الجھا کر صحیح دین اور عقیدہ سے گمراہ اور برگشتہ کرتے ہیں وہ ابلیس کی مانند اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

## مسئلہ تقدیر پر ایک مناظرہ:

مسئلہ تقدیر پر امام ابو الحسن علی بن اسماعیل اشعری المتوفی ۳۳۰ھ اور جبائی محمد بن عبدالوہاب معتزلی المتوفی ۳۵۳ھ کے مابین ایک مناظرہ ہوا امام ابو الحسن اشعری نے جبائی سے کہا فرض کرو تین بھائی ہیں ان میں سے ایک بڑا کافر مرد دوسرا مسلمان اور تیسرا بچپن میں فوت ہو گیا، قیامت میں ان کا حال کیا ہو گا جبائی نے کہا کافر جہنم میں جائے گا مسلمان جنت میں جائے گا اور صغیر اہل سلامت میں ہو گا یعنی نہ جنتی اور نہ جہنمی۔ اس کے جواب میں امام ابو الحسن اشعری نے کہا اگر یہ صغیر اپنے بڑے مسلمان بھائی کے ساتھ جنت میں رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے یا نہیں، جبائی نے کہا نہیں کیونکہ اس کا عمل کوئی نہیں اللہ تعالیٰ بغیر عمل کے اس کو جنت میں نہیں رکھے گا اس پر امام ابو الحسن نے کہا اگر یہ بچہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ عمل نہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے تو نے مجھے زندگی دی ہی نہیں تو جبائی نے کہا اس سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



اس میں تیرا فائدہ ہے اگر میں تجھے بڑا ہونے دیتا تو تو اپنے بڑے بھائی کی طرح کافر ہو جاتا اور سیدھا جہنم چلا جاتا اس پر یہ بچہ خاموش ہو جائے گا، امام ابوالحسن نے کہا ٹھیک ہے بچہ خاموش ہو جائے گا لیکن جب یہ بات بڑا بھائی سنے گا تو وہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تو نے میرے چھوٹے بھائی کو بچپن میں موت دے کر اسکا بھلا کیا پھر مجھے بچپن میں موت کیوں نہیں دی تاکہ میں بھی اہل سلامت میں سے ہو جاتا یہ سن کر جبائی معتزلی لاجواب ہو گئے۔ ملاحظہ فرمایئے سیر اعلام نبلاء ص ۱۸۴ ج ۱۴۔

## خلاصہ کلام:

ہماری اس پوری کتاب کا خلاصہ اگر ایک حدیث میں بیان کیا جائے تو اس طرح ہے کہ

"عن جابر بن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ لا يومن عبد حتى يومن بالقدر خيره وشره حتى يعلم ان ما اصابه لم يكن ليخطئه وان ما اخطاه ليصيبه" (رواه الترمذی کتاب القدر، حدیث: ٢١٤٤)

یعنی جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ تقدیر کے خیر وشر پر ایمان نہ لے آئے حتیٰ کہ یقین کر لے کہ کوئی ضرر اسے نہیں پہنچتا جب تک کہ اس کے نصیب میں نہ ہو،" اس کے برخلاف پرویز صاحب نے مسئلہ تقدیر کے ضمن میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ابتدائی طور پر تقدیر کا عقیدہ انسان نے اس وقت اختیار کیا جب وہ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے نتیجہ میں نیا نیا انسان بنا تھا اس کے بعد نبوت کا سلسلہ شروع ہوا تو تقدیر کا نظریہ ختم ہوگیا لیکن پھر جب جب لوگوں نے اللہ کی طرف سے آنے والی وحی کو بھلا دیا تب تب تقدیر کا نظریہ دوبارہ پیدا ہوا حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے بھی نظریہ تقدیر کو دفن کر دیا لیکن جب دین مذہب میں تبدیل ہوگیا تو اس امت میں بھی نظریہ تقدیر پیدا ہوگیا اور تقدیر کے نظر سے پرویز صاحب کی مراد جبر کا عقیدہ ہے جس کے

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مطابق انسان کا ہر عمل خواہ وہ اچھا ہو یا برا ایک لکھی ہوئی کتاب کے عین مطابق ہے جس طرح ایک ڈرامہ کا اسکرپٹ لکھا ہوا ہوتا ہے اور ہر اداکار اس اسکرپٹ کے مطابق الفاظ اور اعمال کرتا چلا جاتا ہے جس میں اس کی اپنی کوئی مرضی شامل نہیں ہوتی اس لئے تقدیر پر ایمان کے نتیجہ میں جزا اور سزا کا مسئلہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کے متعلق یہ تصور اولاً تو اس لئے غلط ہے کہ ایک اداکار کو اسکرپٹ کے مکمل طور پر پابند ہونے کے باوجود اپنے کام میں بہترین یا بدترین ہونے کے اعزاز سے ضرور نوازا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ مکمل پابندی کے باوجود بھی یقیناً کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا ذمہ دار ہر اداکار خود بھی ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اگر تقدیر کا مطلب جبر بھی سمجھا جائے تب بھی جزا اور سزا سے انکار ممکن نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ مسئلہ تقدیر کو جبر سے تعبیر کرنا اور یہ سمجھنا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ نے لکھی ہوئی ہے اور ہم اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہیں صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ العلیم، الخبیر اور عالم الغیب ہونے کے باعث ہماری ہر بات اور ہر حرکت ہماری پیدائش بلکہ اس کائنات کی بھی پیدائش سے قبل جانتا ہے اور اسے اپنے پاس ایک کتاب میں لکھ دیا ہے جسے قرآن نے کتاب مکنون کہا ہے اور اب ہم اپنے ہر عمل اور اپنی ہر بات سے اس کتاب کی تصدیق کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ ہم اپنے ان ہی اعمال کے ذریعہ اس کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے جنت یا جہنم تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہر شخص کا جنتی یا جہنمی ہونا بھی اسی کتاب میں پہلے لکھا ہوا ہے اسی کو تقدیر کہا جاتا ہے لیکن پرویز صاحب کے نزدیک تقدیر سے مراد قوانین فطرت ہیں جنہیں مقرر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر پابندی عائد کر لی ہے اب ان قوانین کے خلاف اللہ تعالیٰ کچھ نہیں کر سکتا ہے۔

پرویز صاحب کے بقول تقدیر پر ایمان کے نتیجہ میں انسان اپنی گمراہی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ڈال دیتا ہے اسی طرح کامیابی کو انسان اپنی کاریگری کا نتیجہ قرار دیتا ہے اور ناکامیوں کے لئے کہتا ہے کہ خدا کی مرضی ایسی ہی تھی چنانچہ پرویز صاحب ہر کامیابی و ناکامی اور

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



ہدایت وہدایت سے محرومی کا ذمہ دار انسان کو خود ہی قرار دیتے ہیں حالانکہ صحیح عقیدہ تقدیر کے مطابق ہر کامیابی وناکامی اور ہدایت وگمراہی من جانب اللہ ہوتی ہے لیکن اپنے علم کامل کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے اور جو جس چیز کا مستحق ہوتا ہے اس کو اسی راستہ پر چلا دیتا ہے پھر انسان اپنی نیت اور محنت کے باعث اس اجر کا مستحق بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ یوم الحساب میں اسے عطا کرے گا۔

پرویز صاحب کے بقول خیر وشر اور رزق کی بست وکشاد مکافات عمل اور انسان کے اپنی ذاتی کسب کا نتیجہ ہوتا ہے جبکہ عقیدہ تقدیر کے مطابق خیر وشر اور رزق کی تنگی وفراوانی من جانب اللہ ہوتی ہے اور اس کا مقصد انسان کی استقامت، عاجزی، جذبہ صبر وشکر اور عزم وہمت کو جانچنا اور اس جانچ کو اس کے جنتی یا جہنمی ہونے پر بطور ثبوت لانا ہوتا ہے۔

پرویز صاحب نزدیک عزت وذلت اور عذاب ومغفرت کا تعلق قوانین فطرت پر قابو حاصل کرنے سے ہے۔جس طرح آج اقوام مغرب نے اشیاء کائنات پر قابو حاصل کر کے اپنے لئے عزت اور مغفرت حاصل کر لی ہے اور پرویز صاحب کے بقول تقدیر کے عملی مفہوم کو پالیا ہے حالانکہ صحیح عقیدہ تقدیر کے مطابق یہ دنیا دار الجزاء نہیں بلکہ دار العمل ہے اس اعتبار سے یہاں کی عزت وذلت اور یہاں کی تکلیف وراحت بھی امتحان ہیں اور اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتا ہے لیکن پرویز صاحب چونکہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے ان چیزوں کو اسی دنیا میں کھینچ لائے ہیں اور اقوام مغرب کی سائنسی ترقی اور کامیابی کو آخرت کی کامیابی، عزت اور مغفرت تصور کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس قسم کی ملحدانہ سوچ سے ہم تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے اور دین کی صحیح سمجھ اور عمل صالح کی توفیق نصیب فرمائے۔آمین

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل وبراہین سے مزین، متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

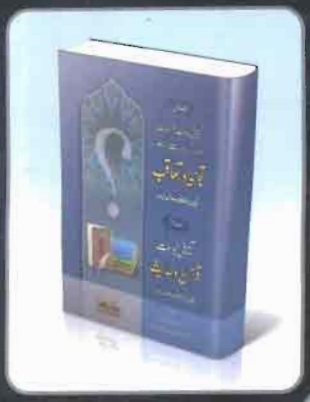

Naeem Jee: 0300-4630992

دار الکتب العلمیۃ

موبائل: 0334-4416881